تذکرۂ

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

رحمۃ اللہ علیہ

چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ اور عالم،
اویسِ زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۲۰۸ھ — ۱۳۱۳ھ) کے سوانح حیات،
حالات و کمالات و ارشادات و ملفوظات۔

مرتبہ

سیّد ابوالحسن علی ندوی

قیمت :- .. ..

بار چہارم ۲۰۰۰

شعبۂ طبع و اشاعت
مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

اسکائی لائن پرنٹرس، لکھنؤ

فہرست

می نہ روید تخمِ دل از آب و گِل
بے نگاہے از خداوندانِ دل

اقبالؔ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

چودھویں صدی ہجری کی ابتدا کے مشہور بزرگ حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے (جن کی یہ سوانح حیات ہے) ایک روز مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ سے فرمایا: "تم نے کوئی عشق کی دکان بھی دیکھی ہے؟" مولانا محمد علی نے سکوت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ "ہم نے دو دکانیں دیکھی ہیں، ایک شاہ غلام علی صاحب کی، اور دوسری حضرت شاہ آفاق رحمۃ اللہ علیہ کی، کہ اس دکان میں عشق کا سودا بکا کرتا تھا"[1]

ہماری اس صدی کے آغاز میں اگرچہ انگریزوں کے دم قدم سے مادیت کے قدم اس ملک میں جم گئے تھے، اور اہلِ دل بڑے درد سے کہہ رہے تھے، کہ:—

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے

پھر بھی عشقِ الٰہی کی کہیں کہیں دکانیں قائم تھیں، جہاں سے جذب و شوق اور درد و محبت کا سودا ملتا تھا۔ ان دکانوں میں "دو دکانیں خاص طور پر مرجع خاص و عام تھیں، ایک

---

[1] فضل رحمانی حصۂ دوم۔ ص ۲۹

گنگوہ[1] میں، اور ایک گنج مراد آباد[2] میں، دونوں نے اپنی اپنی جگہ درد و محبت اور اتباعِ سنّت کا بازار گرم کر رکھا تھا، اور اس جنسِ نایاب کو وقفِ عام کر دیا تھا۔

یوں تو اس دنیا میں خدا کا دیا سب کچھ ہے، لیکن اگر اس بھرے بازار میں ایک درد و محبت ہی کی "دوکان" نہیں، جہاں سے قلب کی حرارت اور عشق کی دولت مل سکتی ہے، تو پھر دنیا ایک قمار خانہ اور زندگی محض "سود و سودا مکر و فن" ہے، اور اس میں وہی زیادہ کامیاب ہوگا، جو اس فن میں طاق ہوگا۔ ؎

مَن کی دنیا مَن کی دنیا، سوز و مستی جذب و شوق
تَن کی دنیا تَن کی دنیا، سود و سودا مکر و فن

اس زندگی کی آبرو اور اس باغِ ہستی کی ساری بہار اور سارا وقار اور اس دنیا کا سارا ہنگامۂ وجود اسی "درد و محبت" کے دم سے ہے، اس کے بغیر یہ محفل سونی اور یہ گھر بے چراغ ہے "خرمنِ کائنات" میں یہی ایک کام کا دانہ ہے، اگر یہ نہیں تو پھر سب خس و خاشاک ہے۔ ؎

درخرمنِ کائنات کردیم نگاہ
یک دانہ محبت است باقی ہمہ کاہ

اہلِ دل نے تو اس دن کو اپنی عمر میں شمار کرنے سے انکار کر دیا ہے، جو "عشق و مستی" کے بغیر گذر گیا، امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے سب اہلِ دل کی ترجمانی فرمائی ہے۔ ؎

ناخوش آں وقتے کہ بر زندہ دلاں بے عشق رفت
ضائع آں روزے کہ بر مستاں بہ ہشیاری گذشت

---

[1] حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خانقاہ۔۱۲ [2] حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی خانقاہ۔۱۲

یورپ کا صنعتی انقلاب اور مادی تہذیب اگرچہ ساری دنیا کا رُخ "مَن" "سے" "تَن" کی طرف پھیر چکی ہے، اور دلوں کی انگیٹھیاں عرصے سے سرد ہیں، عصر حاضر کے اداشناس (اقبال) نے آج سے برسوں پہلے کہا تھا:-

دل کے ہنگامے مے مغرب نے کر ڈالے خموش

لیکن ابھی اس خاکستر میں "محبت" کی چنگاری موجود ہے، اور دل کا چراغ بالکل گل نہیں ہوا ہے، خصوصاً ہمارے ملک ہندوستان میں (جس کے خمیر میں دردِ محبت ہے) ابھی دل کی یہ پیاس اور روح کی یہ پکار موجود ہے، مادیت کے عروج اور بحران نے بھی کہیں کہیں اس خالص مادیت سے بیزاری اور روحانیت کی تلاش پیدا کر دی ہے، تقسیم کے انسانیت سوز ہنگامہ نے جب دلوں کو زخمی کیا، اور لاکھوں انسانوں نے اس دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کی بے وفائی کا منظر دیکھ لیا، تو اُن کو بھی زخم دل کے لئے اس مرہم کی ضرورت ہوئی، آج دونوں طرف بے خانماں اور شکستہ دل انسانوں کو اہلِ دردِ محبت کے حالات اور تذکروں کی سب سے زیادہ تلاش ہے، یوں بھی آج دماغ پر افکار، شبہات اور غلط معلومات کے لشکروں کا جو نرغہ ہے اس کے مقابلہ کی بھی صورت صرف یہ ہے، کہ دل کی اس مخفی طاقت کو اُبھارا جائے، اور عشق و محبت کی چنگاری کو سُلگایا جائے جس کے سامنے افکار و شبہات اور غلط معلومات نے ہمیشہ سپر ڈال دی ہے۔

شاید انھیں سب باتوں کا خیال کر کے میرے مُربی و برادرِ معظم ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبد العلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء برسوں سے تقاضا کر رہے تھے، کہ میں حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا تذکرہ مرتب کروں، مولاناؒ کی زندگی میں یہ جوہر (دردِ محبت) بہت نمایاں ہے، اُن کے واقعات آج بھی اپنی سادگی کے باوجود دلوں پر تیر و نشتر کا کام کرتے ہیں، دردِ محبت، جذب و مستی

کے ساتھ اتباعِ سنّت، احترامِ شریعت اَور حدیثِ نبوی کے ساتھ عشق کا جیسا نمونہ اُن کی زندگی میں ملتا ہے، وہ اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ ؎

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

اسی کے ساتھ اُن کی زندگی میں زہد و استغنا کے ایسے موثر واقعات ملتے ہیں جو اس "زر پرستی" کے دَور میں تڑپا دیتے ہیں، اس سب کے ساتھ اُن کی زندگی کا ایک عنصر اَور بھی ہے جس نے ان کو اس نسل سے قریب اَور مانوس کر دیا ہے، وہ اُن کی بے تکلفی و سادگی اَور رسوم سے (دائرۂ شریعت میں رہتے ہوئے) آزادی ہے، اِس بنا پر اُمید کی جاتی ہے کہ استفادہ کا دائرہ وسیع ہوگا۔

اِن محرکات کے علاوہ اِس کتاب کی تالیف کا ایک محرک اَور بھی ہے جو اگرچہ ثانوی ہے مگر عزیز ہے، وہ یہ کہ حضرت مولاناؒ ندوۃ العلماء کے بانیوں اَور اس کے اکثر ابتدائی کارکنوں کے شیخ اَور رُوحانی سرپرست ہیں، حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ بانیٔ ندوۃ العلماء ان کے خلیفہ اَور محبوب ترین مرید و مسترشد ہیں، ان کے علاوہ ارکانِ ندوۃ العلماء میں سے مولانا سید ظہور الاسلام صاحب فتحپوری، مولانا نور محمد صاحب پنجابی، مولانا سید تجمل حسین صاحب بہاری، میرے والدِ محترم مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب رائے بریلوی (سابق ناظم ندوۃ العلماء)، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مولانا عبدالحق صاحب حقانی، مولانا مسیح الزماں صاحب شاہجہاں پوری (سابق ناظم ندوۃ العلماء) صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خاں (ناظم ندوۃ العلماء)، منشی احتشام علی صاحب کاکوروی (معتمد مال) حضرت مولانا کے مریدین میں سے تھے، خود بانیٔ ندوۃ العلماء اَور اکثر علمائے ندوۃ العلماء کے استاد، استاد العلماء مولانا

لطف اللہ صاحب علیگڈھی مولانا سے ارادت وارتباط روحانی رکھتے تھے، اس تعلق کا بھی تقاضا تھا کہ ندوۃ العلماء کی جانب سے (جس کو قائم ہوئے ساٹھ برس سے زیادہ ہو رہے ہیں) اُپنے اس مرکز روحانی کی تاریخ وسوانح شائع کی جائے، ناچیز مؤلف پر یہ فرض دو طرح سے عائد ہوتا ہے ایک ندوۃ العلماء کے حقیر خادم کی حیثیت سے، دوسرے اُپنے والد مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق سے، اُور اس کو آج یہ فرض اُور منّت واحسان کا یہ قرض اُدا کرتے ہوئے دوگونہ مسرت ہے۔

حضرت مولاناؒ کے حالات ان کتابوں میں منتشر طور پر پھیلے ہوئے ہیں جو آپ کے مریدین ومسترشدین نے آپ کی اخیر زندگی میں یا آپ کے بعد تصنیف کیں، لیکن چونکہ ان کتابوں کا موضوع سوانح اُور تذکرہ نہ تھا، بلکہ ملفوظات وارشادات اُور اپنے مشاہدات وتاثرات کا جمع کرنا تھا، اِس لئے اُن میں کوئی ترتیب یا مضامین کی تقسیم نہیں، مزید یہ کہ یہ کتابیں طرزِ قدیم پر لکھی گئی ہیں، اُور ان میں بہت سے زوائد اُور غیر متعلق مضامین ہیں، اخیر یہ کہ اُب وہ سب نایاب ہیں، ضرورت تھی کہ ان کتابوں سے حالات وواقعات اُور ملفوظات انتخاب کرکے ایک مکمل تذکرہ مرتب کیا جائے، جو عصرِ حاضر اُور نسلِ جدید کے لئے بھی پوری کشش اُور افادیت رکھتا ہو، اُور جس میں تصوف کے نظری مسائل اُور علمی تفصیلات نیز دقیق وعمیق مباحث اُور حل طلب اشارات نہ ہوں، اُمید ہے کہ یہ کتاب اس ضرورت کو پورا کرے گی۔

اِس کتاب کا بڑا ماخذ مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کی ارشادِ رحمانی، اُور مولانا سید تجمل حسین صاحب بہاریؒ کی فضلِ رحمانی (۱-۲) کمالاتِ رحمانی، نیز نواب سید نورالحسن خاں مرحوم کے رسائل، اُور مولوی عبدالغفار صاحب سیونی کی ہدیۂ عشاقِ رحمانی ہے۔

رئیس الدولہ نواب سید نورالحسن خاں (فرزند اکبر امیر الملک والاجاہ نواب سید صدیق حسن خاں رئیس بھوپال) حضرت مولاناؒ سے بیعت تھے، حضرت مولاناؒ کا ایسا عاشق صادق دیکھنے میں نہیں آیا،

ان کو ہر ایسے واقعہ اور ایسے جزئیہ کی تلاش رہتی تھی جس کا مولانا سے دور کا بھی تعلق ہو، خود بڑے ذوق و شوق و حسنِ عقیدت سے رسائل لکھے اور چھپوائے، اور مولانا کے دوسرے خدام و منتسبین سے لکھوائے اور چھپوائے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سلسلہ کا بڑا ذخیرۂ تصانیف و معلومات نواب صاحب مرحوم کی توجہ اور محنت کا رہینِ منت ہے، اس کتاب کی ترتیب میں سب سے زیادہ مدد اُن کے کتب خانہ سے ملی، جو کتب خانۂ ندوۃ العلماء میں امانت ہے، غالباً مولانا کے حالات و متعلقہ تصانیف کا اتنا بڑا ذخیرہ کہیں اور نہ ہوگا۔

مناسب سمجھا گیا کہ شروع میں مولانا کا اجمالی تذکرہ مولانا سید عبدالحیؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف "نزہۃ الخواطر" کی جلد ہشتم سے نقل کر دیا جائے، جس مؤرخ کے قلم نے پانچ ہزار مشاہیر ہندوستان کا تذکرہ لکھا ہے جس میں سیکڑوں کی تعداد میں مشائخ طریقت اور علمائے شریعت ہیں، اس کی شہادت اور اس کا بیان بڑی اہمیت اور بڑی قیمت رکھتا ہے۔

آخر میں اُن چند مضامین کا اضافہ کر دیا گیا ہے جن میں اکثر مشاہیر اور بعض غیر مشاہیر نے گنج مراد آباد کی حاضری کے واقعات اور اپنے تاثرات و مشاہدات سنائے ہیں، اُن کے مجموعہ سے گنج مراد آباد کا وہ نقشہ اور کیفیات سامنے آجاتی ہیں، جب اس کی مسند ارشاد آباد اور اُس کی گلیاں ایک عاشق صادق اور ایک عارف کامل کے انفاس طیبہ سے معمور گرم تھیں، نیز مولانا کی بہت سی وہ خصوصیات اور حالات سامنے آتے ہیں، جو اب کہیں اور سے معلوم نہیں ہو سکتے۔

یہ "سیپارۂ دل" اُن سب دوستوں کی خدمت میں پیش ہے، جو درد و محبت کے جویا اور اہلِ معرفت و یقین کے حالات کے طالب ہیں۔

ابوالحسن علی
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۷ ذی قعدہ
۱۳۷۷ھ

مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ

از:- مولانا حکیم سید عبدالحیؒ

مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کے والد کا نام شاہ اہل اللہؒ تھا، نسب نامہ اس طرح ہے،
مولانا فضل الرحمٰن بن شاہ اہل اللہ بن محمد فیاض بن برکت اللہ بن[1] نور محمد بن عبداللطیف بن عبدالرحیم بن محمد (شاہ مصباح العاشقین) صدیقی ملانوی ثم مرادآبادی، حدیث میں بلند پایہ بڑے عالی سند، طویل العمر اور اپنے زمانہ کے صاحب مقامات وکرامات اولیاء اللہ میں سے تھے، ان کا وجود باجود اس دَورِ آخر میں اسلام کے لئے شرف وعزت کا باعث تھا، سنہ ۱۲۰۸ھ میں ملّاواں میں پیدا ہوئے، مولانا نور بن انوار انصاری فرنگی محلی اور دوسرے علمائے لکھنؤ سے درسیات پڑھیں، پھر مولانا حسن علی لکھنوی محدث کی رفاقت میں دہلی کا سفر کیا، اور شاہ عبدالعزیز، شاہ غلام علی اور شاہ محمد آفاق رحمۃ اللہ علیہم اور دوسرے مشائخ کبار سے ملاقات کی، اور ان کی

---

[1] مولانا کے خاندانی شجرہ میں شیخ برکت اللہ اور شیخ نور محمد کے درمیان دو واسطے اور ہیں، شیخ برکت اللہ بن صوفی عبدالقادر بن مولانا سعداللہ بن مولانا نور اللہ عرف نور محمد - ۱۲ (افضال رحمانی ص ۳) -

صحبت حاصل کی، اس سفر میں آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے حدیث مسلسل بالاولیۃ اُور مسلسل بالمحبۃ کی سند لی، اُور صحیح بخاری کے کچھ حصّہ کی سماعت کی، پھر وطن واپس آگئے، اُور کچھ عرصہ قیام کیا، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی وفات کے بعد دوبارہ دہلی کا سفر کیا، اُور اُن کے نواسے شاہ اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے صحاح ستہ کا درس لیا، اُور مدت تک حضرت شاہ محمد آفاقؒ کی صحبت میں رہ کر طریقت کی تعلیم حاصل کی، اُور علم و معرفت میں بلند مقام پیدا کیا، اُور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔

دہلی سے آپ وطن واپس آئے اُور ایک عرصہ تک مُلّاواں میں قیام فرمایا، اہلیہ صاحبہ کے انتقال کے بعد گنج مرادآباد منتقل ہو گئے جو مُلّاواں سے چار میل پر ہے، آپ نے وہاں دوسری شادی کی اُور سکونت اختیار کرلی، لیکن اس زمانہ میں زیادہ تر سفر میں رہتے تھے، کبھی لکھنؤ، کبھی کانپور، بنارس، قنوج وغیرہ کا سفر فرماتے تھے، اُور اکثر مطابع میں قرآن مجید کی تصحیح کا کام کرتے تھے، اُور حدیث شریف کا درس دیتے تھے، جب عمر مبارک زیادہ ہوئی تو سفر ترک فرمادیا، اُور مرادآباد میں مستقل قیام اختیار فرمایا، جہاں عقیدت مندوں نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا، اُور تحائف و ہدایا کی بارش ہوئی، بڑے بڑے امراء و رؤساء دُور دُور اُور دشوار گذار علاقوں سے عقیدت مندانہ حاضر ہوئے، اُور آپ کی ذات مرجع خلائق بن گئی، اُور ایسی مقبولیت اُور ہر دلعزیزی حاصل ہوئی جو اس زمانہ میں کسی شیخ طریقت کو حاصل نہیں تھی۔

میں نے اپنے زمانہ میں جن علماء و مشائخ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اُن میں کسی کو سنن نبوی اُور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال ڈھال اُور طور و طریق کا آپ سے زیادہ جاننے والا نہیں دیکھا چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں آپ طریق نبویؐ سے انحراف پسند نہیں کرتے تھے، ورع و احتیاط، قناعت و استغنا، بذل و سخا، اُور زہد و کرم میں آپ فرد فرید تھے، مال کو جمع رکھنا اُور فقر و فاقہ سے

ڈرنا آپ نہیں جانتے تھے، ہزاروں روپیہ خدمت میں آتے اور آپ اسی دن لوگوں میں تقسیم کر دیتے، یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ روپیہ پیسہ پر کوئی رات گذرے، پہننے اور کھانے میں کوئی تکلف اور اہتمام نہیں تھا، علماء کے خصوصی لباس کے پابند نہیں تھے، قولِ حق میں کسی کا لحاظ نہیں کرتے تھے خواہ وہ کیسا ہی ظالم و جابر کیوں نہ ہو، علم و عمل، زہد و ورع، شجاعت و کرم، جلالت و وجاہت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں اپنے معاصرین میں فائق اور ممتاز نظر آتے تھے، اسی کے ساتھ اخلاص و نیت، گریہ و زاری، ذکر و استحضار، دعوت الی اللہ، حُسنِ اخلاق، فیض رسانی عام میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، اگر حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان کھڑا ہو کر میں قسم کھاؤں کہ میں نے دنیا میں ان سے بڑھ کر کریم، درہم و دینار سے بے تعلق، کتاب و سنت کا پیرو نہیں دیکھا تو میں حانث نہیں ہوں گا، اسی کے ساتھ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہؐ کا اُن سے بڑا عالم نہیں پایا۔

متوسط و میانہ قد، داڑھی چھوڑ دی گئی تھی لیکن چھوٹی تھی، مسجد میں نماز پڑھاتے، اور اسی کے ایک حجرے میں قیام فرماتے، اپنے ساتھیوں اور رفقاء و خدام کے کاموں میں حصّہ لیتے اور اُن کا ہاتھ بٹاتے، آپ کا لباس عام آدمیوں کا سا ہوتا، ظہر سے پیشتر اور ظہر کے بعد اور اکثر عصر کے بعد بھی قرآن حکیم اور حدیث شریف کا درس دیتے، میں نے آپ سے مسلسل بالاولیہ اور مسلسل بالمحبۃ کی سند لی، اور صحیح بخاری کا کچھ حصّہ سنا، آپ خود ہی حدیث کی قرأت فرماتے تھے اور احادیث پر تقریر فرماتے تھے، جہاں تک آپ کے کشف و کرامات کا تعلق ہے وہ حد تواتر کو پہونچ گئی ہیں، اور اس بارے میں اولیاء متقدمین میں بھی حضرت سیّدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے علاوہ اور کوئی نظیر نہیں ملتی ——— ۸ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ میں گنج مراد آباد میں وفات پائی، اور مراد خاں کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

اجداد و شیوخ

اجداد کرام | مولانا نسباً صدیقی ہیں، آپ کے اجداد میں سب سے پہلے شیخ شہاب الدین زاہد غالباً آٹھویں صدی کی ابتدا میں ہندوستان تشریف لائے اور بہار میں سکونت اختیار کی، ان کے صاحبزادے شیخ داؤد سلطان فیروز شاہ کے عہد میں دہلی تشریف لائے، اور کچھ مدت وہاں رہ کر پانی پت میں قیام اختیار کیا، اور ۸۲۸ھ میں وہیں وفات پائی، آپ کے صاحبزادے شاہ منکن تھے، اور ان کے صاحبزادے محمد معروف بہ شاہ مصباح العاشقین چشتی تھے، جو نامور مشائخ چشت اور کبار اولیاء اللہ میں سے تھے۔

حضرت شاہ مصباح العاشقینؒ | حضرت شاہ مصباح العاشقینؒ ۱۰۱۸ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے، ابتدائے شباب میں ملتان جاکر شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی خانقاہ میں مقیم رہ کر مولانا حسین سے علوم درسیہ کی تحصیل کی اور حج سے مشرف ہوئے، وطن کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد تلاش مرشد میں مشرق (پورب) کا رُخ کیا، لکھنؤ میں مولانا محمد اعظم ثانیؒ[1] اور شاہ مینا صاحبؒ کی صحبت میں کچھ وقت گزارا، پھر اودھ (فیض آباد) میں شیخ احمد راوٹی کی خدمت میں منازلِ سلوک طے کئے،

---

[1] محمد بن ابی البقاء الکریانی نام اور اعظم ثانی لقب تھا، یہ لقب اُن کو علمائے حجاز نے اُن کے علمی و فقہی تبحر کی بنا پر دیا تھا۔ شیخ ابو الفتح بن عبد الحی بن عبد المقتدر الکندیؒ کے شاگرد و خلیفہ تھے، تلامذہ میں حضرت شاہ میناؒ لکھنوی اور مولانا سعد الدین خیر آبادی جیسے اکابر ہیں، ۸۸۴ھ میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر جلد سوم)

اُور سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی، تکمیل سلوک کے لئے شیخ ہی کی ہدایت وایماء سے شیخ جلال الدین گجراتی کا قصد فرمایا، اُور پنڈوہ (بنگال) کا سفر اختیار کیا، اثنائے راہ میں بنارس میں عشقِ مجازی میں مبتلا ہوئے، پھر شیخ کی تنبیہ اُور جاذبۂ توفیق الٰہی سے مردانہ وار اس کو چھوڑ کر محبوبِ حقیقی کی طرف متوجہ ہوئے، اُور پنڈوہ میں شیخ جلال الدین گجراتی کی خدمت میں حاضر ہوئے، شیخ نے مصباح العاشقین لقب دیا، اُور بڑی پذیرائی فرمائی، اُور تین سال کمال شفقت کے ساتھ رکھ کر علمِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کی، اُور خلافت سے سرفراز فرمایا، ایک سال کے بعد حضرت شیخ جلال الدینؒ اُپنے ہر مرید کو شاہ مصباح العاشقین کے سپرد فرماتے، اُور اُن کے ہاتھ سے خرقۂ خلافت عطا فرماتے، ۸۸۱ھ میں شیخ کی شہادت کے بعد عازم مغرب ہوئے، کچھ عرصہ بہار میں جو مسکن آبائی تھا، قیام فرمایا، اہلِ خاندان و حاکم شہر نے بیعت کی، بالآخر اُپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق مغرب (پچھم) کی طرف کوچ فرمایا، اُور ۸۸۸ھ میں نُلّاداں[1] میں طرح اقامت ڈالی، جہاں نصف صدی گزار کر ۹۳۹ھ میں وفات پائی۔

آپ صائم الدہر، نہایت متوکل وزاہد تھے، پورے پورے دن ذکرِ الٰہی اُور اَدائے سننِ نبوی میں مشغول رہتے، صبح سے ظہر کے وقت تک علومِ دینی کا درس دیتے، نمازِ ظہر سے فراغت کے بعد صحیح بخاری و مسلم کو سامنے رکھ کر وعظ و تلقین فرماتے، اس کے بعد زائرین وطالبین کی طرف توجہ فرماتے، اُور نہایت شفقت وحُسنِ اخلاق سے پیش آتے، تھوڑے ہی دنوں میں لوگوں میں دینی سلوک اُور حصولِ یقین ومعرفت کا شوق پیدا ہوگیا، اُور رجوعِ عام شروع ہوگیا، فتوحات کا

---

[1] یہ مقام پہلے نواحی قنوج میں شمار ہوتا تھا، جو دریائے گنگا کے دوسرے کنارے پر ہے، اَب ضلع اُناؤ کا ایک قصبہ ہے، گنج مرادآباد یہاں سے ۶ میل ہے، نُلّاداں میں شاہ مصباح العاشقینؒ کا مزار اَب بھی موجود ہے۔

دروازہ کھل گیا، نمازِ جمعہ کے بعد معمول تھا کہ برادر زادہ فخر الدین سے فرماتے کہ سوائے کتابوں اور پارچۂ ضروری کے جو کچھ فاضل اور زائد از ضرورت ہو فقراء و طلبہ کو تقسیم کر دیا جائے، اذن عام تھا کہ جو چاہے جو سامان اٹھا لے جائے، اس کا اہتمام تھا کہ رات کی کوئی چیز صبح تک نہ بچے۔

آپ نے سلطان بہلول لودھی اور سلطان سکندر لودھی کا زمانہ پایا، آپ کے آخری زمانہ میں ہندوستان میں بابر کی آمد ہوئی، سلطان سکندر لودھی نے تشریف آوری دہلی کی درخواست کی، معذرت فرمائی، اور اس کی فرمائش کی کہ ملّاواں کو مسلمانوں سے آباد اور شرفاء کے لئے مدد معاش کا انتظام کیا جائے، اس کی تعمیل ہوئی، کچھ عرصہ کے بعد دہلی تشریف لے گئے، سلطان سکندر لودھی خود ملنے آیا اور نذر گزرانی، دہلی میں مجالس سماع خوب گرم رہیں، جن میں بادشاہ نے خود شرکت کی، اور الطاف خصوصی سے سرفراز ہوا، اپنے مشائخ کرام کے مزارات کی زیارت اور کچھ عرصہ دارالسلطنت میں قیام فرمانے اور متعدد اہل علم و اہل استعداد کو اجازت و خلافت سے مشرف فرمانے کے بعد اپنے مستقر (ملّاواں) کو مراجعت فرمائی اور پھر کہیں تشریف نہیں لے گئے۔

وفات کے قریب سخت مجاہدات اور طویل خلوتیں اختیار کیں، اور زیادہ تر زمانہ گوشہ گیری اور باطنی مشغولیت میں گذارا، وفات کے قریب بیوی صاحبہ نے روضہ کی تعمیر شروع کر دی، دیواریں قدِ آدم اٹھ چکی تھیں، آپ کی نظر پڑی تو فرمایا، کہ بیوی نے اپنے بیٹے (سجادہ نشین) کیلئے دکان بنائی ہے، فقیر کے لئے سایۂ آسمان کافی ہے۔

۲۳ رجمادی الثانیہ سے مرض وفات کی ابتدا ہوئی، رجب کی چاند رات سے حواس ظاہری میں تغیر ہوا، اور کامل طور پر بےخود و باخدا ہو گئے، وصیت فرمائی کہ نمازِ جنازہ صاحبزادہ شیخ عبدالرزاق جو سب صاحبزادوں میں سن میں بڑے ہیں پڑھائیں، یا شیخ عبدالرحیم جو حافظ قرآن ہیں، نوحہ کی ممانعت فرمائی، ایک مرتبہ آنکھ کھولی تو دیکھا کہ صاحبزادوں اور اہل تعلق پر گریہ طاری ہے، اور

وہ زار و نزار ہیں، آپ نے منع فرمایا، شیخ عبدالرحیم نے فرمایا کہ ایسی نعمت عظمیٰ اور ایسا بزرگ ہم سے جدا ہو رہا ہے، ہم کیوں نہ روئیں، جبکہ حضرت کی چشم مبارک بھی اشک آلود ہے، فرمایا "گریۂ شما از اندیشۂ جانِ من، وگریۂ ما از اندیشۂ ایمان من، فرزندی ام! کار بتقوٰی وعبادت نیست، بلکہ برحمت ومغفرت اوست"، انتقال کے وقت دونوں پاؤں بیدھے کر لئے اور روح لطیف جسد عنصری سے پرواز کر گئی یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ، یہ واقعہ یکم رجب ۹۳۹ھ کا ہے، انتقال کے وقت عمر شریف ۱۲۹ سال تھی۔[1]

مولانا فضل رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ آپ کی آٹھویں پشت میں ہیں، اور آپ کی خصوصیات عشق ومحبت، زہد وتوکل، بذل وسخا، اتباع سنت، یہاں تک کہ طولِ عمر میں بھی آپ کی یادگار ہیں سلسلۂ نسب اس طرح ہے، مولانا فضل رحمٰن بن اہل اللہ بن محمد فیاض بن برکت اللہ بن عبدالقادر بن شیخ سعداللہ بن نور محمد بن عبداللطیف بن عبدالرحیم بن شیخ محمد (معروف بشاہ مصباح العاشقین چشتی) قدس اللہ سرہٗ۔

شیوخ کبار مولانا، حضرت شاہ محمد آفاقؒ کے مرید وخلیفہ تھے، حضرت شاہ محمد آفاقؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے حضرت شیخ محمد سعید خازن الرحمۃ کی اولاد میں ہیں، آپ کے والد ماجد احسان اللہ خاں صاحب نواب اظہر الدین خاں صاحب کے فرزند ارجمند ہیں، جو زمانۂ اورنگ زیب میں منصب دار شاہی تھے، اور خطاب خانی ونوابی سے

---

[1] حضرت مصباح العاشقین رحمۃ اللہ علیہ کے حالات آپ کے خلیفہ مولانا وجیہ الدین کی کتاب "مصباح العاشقین فی ایضاح احوال السالکین" سے ماخوذ ہیں، یہ کتاب ۱۳۳۱ھ میں خواجہ سید محمد محی الدین حسین مودودی کی سعی اور مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ کی تصحیح سے "کشف الظلوم" کے نام سے شائع ہوئی۔ ۱۲

سرفراز تھے، وہ فرزند حضرت شیخ محمد نقی علیہ الرحمۃ فرزند حضرت شیخ عبدالاحد شاہ گل المتخلص بوحدت فرزند حضرت خازن الرحمۃ کے تھے، اور ازروئے ارادت وخلافت آپ کا سلسلہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ فرزند وخلیفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے ملتا ہے، حضرت شاہ آفاقؒ کو اپنے مرشد بزرگوار حضرت خواجہ ضیاء اللہؒ سے اجازت حاصل ہے، جو حضرت خواجہ محمد زبیرؒ کے اعاظم خلفاء میں سے تھے[1]۔

حضرت شاہ محمد آفاقؒ

حضرت شاہ محمد آفاقؒ سنہ ۱۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے[2]، سلوک کی تکمیل اپنے طریقۂ آبائی نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت خواجہ ضیاء اللہ سے کی، اور اُن کے خلفاء میں ممتاز ہوئے، حضرت شاہ غلام علیؒ نے حاشیہ سیر المرشدین میں تحریر فرمایا ہے:

"حضرت شاہ محمد آفاقؒ از حضرت خواجہ ضیاء اللہ کہ از خلفائے
حضرت محمد زبیر اند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نسبت ایں خاندان کسب
نمودہ بسر گرمی حلقہ ومراقبہ وافادۂ نسبت دریں وقت ممتاز اند"

حضرت خواجہؒ کے انتقال کے بعد مدت دراز تک حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کی صحبت میں رہے[3]، جو اپنے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب کے خلیفہ تھے، اور خواجہ محمد ناصر عندلیب حضرت خواجہ محمد زبیرؒ کے خلفاء میں تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ محمد آفاقؒ کو قبولِ عام عطا فرمایا، اور شہرۂ آفاق بنایا، دہلی سے کابل تک لوگوں نے آپ سے فیض اُٹھایا، خود بدولت کابل تشریف لے گئے اور وہاں شاہ شاہِ افغانستان نے بیعت کا شرف حاصل کیا، سلوک میں اپنے شیوخ کرام اور

---

[1] شہرۂ آفاق۔ تالیف نواب نورالحسن خاں مرحوم۔ (ص ۵۹) ۔۱۲
[2] نزہۃ الخواطر۔ (جلد ۷) ۔۱۲ [3] شہرۂ آفاق۔ (ص ۸)۔

آبائے عظام کی طرح عالی ہمت و بلند حوصلہ و سرگرم تھے، مولانا فضل رحمٰن صاحبؒ فرماتے تھے کہ "ہمارے حضرتؒ دس ہزار مرتبہ درود شریف اُور پچاس ہزار مرتبہ کلمہ پڑھتے تھے، اُور دس پارے قرآن مجید کے تہجد میں پڑھنے کا معمول تھا، اُور کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا، دس پارے اتنی دیر میں ہوجاتے تھے کہ انجان سمجھے ایک پارہ پڑھا ہوگا، اُور پانچوں وقت صلوٰۃ التسبیح پڑھتے تھے[1] مزاج میں نہایت تواضع و مسکنت تھی، مولانا فرماتے ہیں، کہ "ہمارے حضرت (حضرت شاہ محمد آفاقؒ) سب باتیں موافق سنّت کے کرتے تھے، لیکن کسرِ نفسی سے ایسا فرماتے تھے کہ ہم سے جو کوئی بات موافق سنّت کے ہوجاتی ہے، تو عرش سے ایسا فیض آتا ہے کہ ہم تر بتر ہوجاتے ہیں[2]"

حضرت شاہ غلام علیؒ اکثر اپنے مریدوں کو بعد تعلیم کے حضرت شاہ محمد آفاقؒ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے، جو وہ صاد فرماتے مسلّم کرتے تھے[3]، ۲ محرم روز چہار شنبہ ۱۲۵۱ھ میں انتقال فرمایا اُور پنجشنبہ کو مغلپورہ میں عقب مسجد شریف مدفون ہوئے[4]۔

حضرت خواجہ ضیاء اللہؒ

آپ حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کی اُولاد میں تھے، تاجر کشمیر تھے، ایک ایک لاکھ کا آپ کا خیمہ تھا، طلبِ خدا میں حضرت خواجہ محمد زبیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تمام اسباب اپنا راہِ خدا میں لٹا دیا اُور کمال و تکمیل پر فائز ہو کر خلافت پائی[5]، حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ فرماتے تھے کہ جس نے نسبتِ مجددی مجسّم دیکھی ہو حضرت خواجہ ضیاء اللہؒ کو دیکھے، فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ آخر شب میں گریہ و زاری کرتے اُور لوگوں کو

---

[1] ارشادِ رحمانی ص۲۷ - [2] اسرارِ محبت - از نواب نور الحسن خاں مرحوم مجموعۂ رسائل تصوف ص۵۳ -

[3] شہرۂ آفاق ص۸ - [4] نشرِ عرفان - از نواب نور الحسن خاں مرحوم مجموعۂ رسائل تصوف ص۵ -

[5] اسرارِ محبت - از نواب نور الحسن خاں مرحوم مجموعۂ رسائل تصوف ص۶۹ -

زجر و تنبیہ کرکے بیدار فرماتے، اور کہتے، کہ حیف ہے تمھارے حال پر کہ محبت الٰہی کا دعویٰ کرتے ہو اور تمھارا یار و محبوب بیدار اور تمھاری طرف متوجہ ہے اور تم خفتہ و غافل ہو، تم دعویٰ محبت میں دروغ گو ہو ورنہ عاشقوں کا حال تو یہ ہوتا ہے، کہ :- ؎

مجنوں بہ خیالِ لیلیٰ در دشت　　در دشت بجستجوئے لیلیٰ می گشت
می گشت بدشت بر زبانش لیلیٰ　　لیلیٰ می گفت تا زبانش می گشت[1]

حضرت خواجہ محمد زبیرؒ

والد کا نام حضرت ابو العلا تھا، سلسلۂ نسب اس طرح ہے :- محمد زبیر بن ابی العلاء بن محمد بن خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقیؒ، سرہند میں ولادت ہوئی، والد کا صغر سنی میں انتقال ہو گیا اس لئے اپنے جد نامدار حضرت خواجہ حجۃ اللہ محمد نقشبند کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی، اور انھیں سے تکمیل سلوک کی، اور بشارتوں سے سرفراز ہوئے، دادا کے انتقال کے بعد اُن کے سجادہ کو رونق بخشی، اور تھوڑے عرصے میں اپنی علو استعداد اور علو ہمت سے سلسلۂ عالیہ مجددیہ کا مرکز ارشاد بن گئے۔

حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کے ملفوظات "دُرّ المعارف" میں آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ صلوٰۃ اوابین میں دس پارے قرآن مجید کے پڑھتے تھے، اس کے بعد مردوں کا حلقہ ہوتا تھا اور آپ توجہ دیتے تھے، پھر دولت خانہ تشریف لے جا کر عورتوں کا حلقہ کرتے تھے، اور آدھی رات کو چند گھڑی آرام فرما کر تہجد کے لئے اٹھ بیٹھتے تھے، اور تہجد کی نماز میں چالیس مرتبہ یا ساٹھ مرتبہ سورۂ یٰسٓ پڑھتے تھے، بعد ازاں چاشت کے وقت تک مراقب رہتے تھے، پھر مردوں کا حلقہ

---

[1] دُرّ المعارف ۔ ۷۰

ہوتا تھا، اور آپ توجہ دیتے تھے، پھر تھوڑی دیر قیلولہ فرما کر قرأت طویل کے ساتھ چار گھڑی میں نماز فی زوال پڑھتے تھے، پھر ختم خواجگان پڑھ کر ظہر کی نماز ادا کرتے تھے، بعد اس کے قرآن مجید کی تلاوت کر کے کھانا نوش کرتے تھے، رات دن میں یہی وقت حضرتؒ کے کھانے کا تھا، بعد عصر کے مشکوٰۃ شریف یا مکتوبات امام ربانیؒ کا درس فرماتے تھے، غرضکہ تمام دن توجہ دینے اور ہدایت خلق میں صرف کرتے تھے، جب آپ مکان سے مسجد تشریف لاتے تھے تو امراء اپنے دوشالے اور پگڑیاں مکان سے مسجد تک بچھا دیتے تھے، تاکہ قدم مبارک زمین پر نہ پڑے، اور اگر کسی مریض کی عیادت یا دعوت میں جانے کے لئے سوار ہوتے تو بادشاہوں کے مثل آپ کی سواری جاتی تھی۔

ایک روز دہلی کی جامع مسجد کے نیچے سے آپ کی سواری نکلی، حضرت شاہ گلشنؒ نے دیکھا کہ ایک شخص پالکی میں سوار ہے اور بہت سی پالکیاں اس کے پیچھے چلی جاتی ہیں اور مجمع کثیر اُن پالکیوں کے ہمراہ ہے، اور انوارِ الٰہی اُس پالکی کے اس طرح محیط ہیں کہ پالکی سے لے کر آسمان تک نور کا بانس کا ایک تختہ معلوم ہوتا ہے، اور تمام گلی نور سے بھر گئی ہے، حضرت شاہ گلشنؒ نے اپنے سر سے پرانی کملی اتار کر ڈال دی اور اپنے مریدوں سے فرمایا کہ اس میں آگ لگا دو، انہوں نے عرض کیا کہ اس کا کیا سبب ہے، فرمایا کہ اس امیر کی سواری پر ایک ایسا نور ہے کہ میں نے کبھی اپنی کملی میں مشاہدہ نہیں کیا، باوجودیکہ تیس برس اس کملی میں ریاضت سے گذارے ہیں، کسی نے عرض کیا کہ یہ سواری حضرت محمد زبیرؒ کی ہے، آپ نے فرمایا الحمد للہ کہ ہمارے پیرزادے ہیں، ہماری آبرو باقی رہی، اور اپنے مریدوں کو خدمت میں حضرت قبلۂ عالم کے بھیجا اور فرمایا کہ :-
جس جا حضرتؒ تشریف رکھتے ہوں، ہم کو مرید کرنا جائز نہیں[1]۔

---

[1] ارشاد رحمانی ص۳۵۔

حضرت خواجہ محمد زبیرؒ نے بڑے بڑے خلفاء یادگار چھوڑے ہیں، اُن میں سے تین بڑے نامور ہوئے، حضرت خواجہ ضیاء اللہؒ جن کے خلفاء میں حضرت شاہ محمد آفاقؒ ہیں، دوسرے حضرت خواجہ محمد ناصر عندلیبؒ جن کے فرزند و خلیفہ حضرت خواجہ میر دردؔ دہلویؒ ہوئے، تیسرے حضرت خواجہ عبدالعدلؒ جن کے خلیفہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ مترجم قرآن و فرزند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴ ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ میں وفات پائی، جسدِ مبارک سرہند لے جایا گیا جہاں اپنے آبائے کرام کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

حضرت خواجہ محمد نقشبندؒ حجۃ اللہ نقشبند ثانی لقب، محمد نام، حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند سعید اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پوتے ہیں، روز جمعہ ۲۶ رمضان المبارک ۱۰۳۴ھ میں پیدا ہوئے، اپنے والد بزرگوار سے استفادہ اور سلوک کی تحصیل کی، اور مدت دراز تک اُن کی صحبت و تربیت میں رہے، یہاں تک کہ سلوک و معرفت میں درجۂ کمال کو پہونچے کہ اُن کے والد بزرگوار کے خلفاء میں سے (باوجود کثرت کے) کمتر پہونچے، حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے آپ کو اپنا جانشین و خلیفہ بنایا، اور اُن کی وفات کے بعد ارشاد و تلقین میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، ۱۱۱۴ھ میں وفات پائی، خلفاء میں حضرت خواجہ محمد زبیر جیسا شیخ وقت، اور دوسرے اہلِ علم و فضل ہیں۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارشد، آپ کے جانشین و یادگار اور آپ کے علوم و معارف کے شارح ہیں، آپ کی ذات سے اس طریقۂ عالیہ کو مزید ترقی و وسعت ہوئی، اور آپ کی مساعیٔ جمیلہ اور توجہاتِ عالیہ سے ہندوستان میں اسلام کی حفاظت اور تیموری خاندانوں کے حکمرانوں کی تربیت و اصلاح کے

اِس سلسلہ کی تکمیل ہوئی جس کا آغاز آپ کے والد معظم نے کیا تھا، اور جس کا نتیجہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر[1] کے دینی جذبات اور اصلاحات کی شکل میں ظاہر ہوا، والد محترم کے علوم معارف و کمالات سے فطری مناسبت تھی، اور اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ اپنے والد کے مقرب و معتمد تھے، حضرت مجددؒ کی وفات کے بعد آپ ہی جانشین ہوئے، اور رجوع عام شروع ہوا، مؤرخین کا اندازہ ہے کہ نو لاکھ آدمی شرفِ بیعت سے مشرف، اور سات ہزار اہلِ کمال خلافت سے سرفراز ہوئے، جن میں سے بعض بعض ایسے اہلِ ارشاد ہیں، جن سے پورا پورا ملک مستفید اور سنّت کی روشنی سے منور ہوگیا، جیسے شیخ حبیب اللہ بخاری جو خراسان اور ماوراء النہر کے شیخ اعظم ہیں، اور جن کے خلفاء کی تعداد خود چار ہزار سے کم نہیں۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے علو مرتبہ اور علوم و معارف کا اندازہ لگانے کے لئے اُن کے مکاتیب کا مطالعہ ضروری ہے، جو تین جلدوں میں ہیں، اور جو گویا مکتوباتِ امام ربّانی کا تتمہ اور شرح ہیں۔

اِس سلسلۃ الذہب کا اختتام اُس ذاتِ گرامی (حضرت مجدد الف ثانیؒ) پر ہوتا ہے جس کا شمار اکابر امت محمدیہ اور ائمۂ تجدید میں ہے، یہ مختصر رسالہ آپ کے تذکرہ کا متحمل نہیں رکھتا۔ ع

"سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے"[2]

---

[1] اورنگ زیب مرحوم کو حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے بیعت تھی، اور آپ کے صاحبزادہ خواجہ سیف الدینؒ سے سلوک کی تربیت حاصل کی تھی، حضرت خواجہ محمد معصومؒ بادشاہ کی دینی ہمت افزائی و روحانی سرپرستی فرماتے تھے، اور ایام شاہزادگی میں بھی خطوط میں شاہزادۂ دیں پناہ کے خطاب سے مخاطب فرماتے تھے۔ ۱۲

[2] ناظرین "تاریخ دعوت و عزیمت" کے چوتھے حصّہ کا انتظار فرمائیں۔ ۱۲

حالات و معمولات

والد ماجد | مولانا فضل رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت شاہ اہل اللہ حضرت شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے، حضرت کا نام حضرت شاہ صاحبؒ نے رکھا تھا[۱]۔

ولادت | آپ ۱۲۰۸ھ میں پیدا ہوئے، مولانا سید محمد علی صاحب مونگیریؒ لکھتے ہیں :-
"نام مبارک میں لفظ رحمٰن پر الف ولام نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے سنہ ولادت باسعادت نکلتا ہے، یعنی تاریخی نام ہے[۲]"۔

سندیلہ میں آپ کی پیدائش ہے[۳]، جہاں آپ کا ننہال تھا، اُسی بستی میں حضرت شیخ حیدر علی شاہ صاحبؒ اعلیٰ حضرت شاہ محمد آفاق رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے[۴]۔

آپ کا بچپن | مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں :- "آپ مُلّاواں میں سڑک پر لڑکوں کے ساتھ کچھ کھیل میں مشغول تھے کہ گاڑی آئی اور آپ اُس کے پہیے کے نیچے دب گئے، قدرت خدا کی کہ آپ کے سارے چہرۂ مبارک اور سر پر سے گاڑی کا پہیا چل گیا مگر حیات باقی رہی، فقط اس قدر ہوا کہ ایک کان آپ کا اُس پہیے سے کٹ گیا[۵]۔"

---

[۱] نشر عرفان، نواب نور الحسن خاں مجموعۂ رسائل تصوف ص۱۸۔ [۲] حاشیہ ارشاد رحمانی ص۲۔

[۳] مولوی تجمل حسین صاحب نے مقام پیدائش مُلّاواں لکھا ہے، افضال رحمانی میں رحمۃ اللہ میاں صاحب نبیرۂ حضرت مولاناؒ کے حوالے سے سندیلہ لکھا ہے چونکہ اس بارے میں اہل خاندان کی روایت زیادہ معتبر ہے اسلئے اس کو اختیار کیا گیا۔

[۴] فضل رحمانی ص۲۵۔ [۵] ایضاً ص۲۶۔

"آپ کی قدر اپنے بزرگوں میں لڑکپن سے تھی، آپ کے لڑکپن کی بہت سی حکایتیں مشہور ہیں کہ شریعت کے مطابق باتیں آٹھ برس کی عمر کے وقت سے سرزد ہوتی تھیں اس لئے آپ کے تمام بزرگ آپ کی تعظیم کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ اپنے والد کے ساتھ ملّاواں سے چلے، آپ کے والد کے ہاتھ میں ایک پنجرہ تھا جس میں طوطی تھا، آپ جب کوئیں کے کھیت پر پہونچے تو آپ کے والد نے کوئی یعنی کاکن کے درخت کا ایک خوشہ توڑ کر جانور کو پنجرہ میں دیدیا، مولانا مرحوم نے منع کیا آپ کے والد نے اس کو خفیف سمجھ کر نہیں مانا اور چلے گئے، جب آپ کے والد بیس پچیس قدم چلے گئے تو دیکھا کہ مولانا مرحوم میرے پیچھے نہیں ہیں، بلکہ وہیں کھیت پر کھڑے ہیں، پکارا کہ آؤ کیوں کھڑے ہو، آپ نے فرمایا کہ جب مالک کھیت کا آوے گا تو اس سے معاف کرا کر آؤں گا کہ خوشہ ہمارے پنجرہ میں ہے، آپ کے والد نے کم سنی کے سبب سے نہیں چھوڑا اور کہا، کہ لو ہم نہیں لے جاتے ہیں، پنجرہ کھول کر خوشہ کو پھینک دیا، تب آپ وہاں سے تشریف لے چلے[1]۔"

حضرتؒ نے فرمایا کہ لڑکپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کی زیارت ہوا کرتی تھی[2]۔

آپ کی والدہ ماجدہ بہت بڑی زاہدہ اور متوکل تھیں، آپ نے فرمایا کہ ہماری عمر گیارہ بارہ سال کی ہوگی کہ والد رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا، جو کچھ سرمایہ تھا وہ وقتاً فوقتاً خرچ ہوگیا تھا کہ سخت قحط پڑا، ہماری والدہ ماجدہ نے جب تک قحط رہا مکان کا دروازہ بند رکھا اور

---

[1] فضل رحمانی ص۲۶و۲۷ ـ ۱۲

[2] اسرار محبت، مجموعۂ رسائل تصوف ص۶۳ ـ ۱۲

جو درخت گھر میں تھے ان کے پتوں کو اُبال کر کھا لیتیں، اُور کسی کو اپنے حال سے مطلع نہ ہونے دیتیں، حالانکہ یگانے اُور دوست ایسے تھے کہ مدد کرتے، مگر یہ گوارا نہ تھا[1]۔

مزدوری مولوی تجمل حسین صاحب نے لکھا ہے: "حضرت قبلہ راقم الحروف سے بطور تعلیم فرماتے تھے کہ جب میں دہلی سے آیا تو سنا کہ فرنگی پُل بناتے ہیں اُور دو آنہ مزدوری دیتے ہیں، چنانچہ ہم نے بھی ایک روز مزدوری کر لی تھی اُور شام کو ہم کو بھی دو آنے ملے تھے[2]۔

اُجرت کتابت فرمایا کہ:- ہم نے کبھی نوکری نہیں کی، مگر جب میں دہلی گیا تو البتہ کتاب کے صحیح کرنے کے لئے لوگوں نے کچھ مقرر کر دیا تھا، دو ڈھائی روپیہ مزدوری کی[3]۔

دہلی کا سفر آپ فرماتے تھے کہ جب ہم حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ سُن کر لکھنؤ سے چلے، تو ہمارے پاس تھوڑے پیسے تھے، راہ میں پیسہ دو پیسہ کے دانے لیکر کھا لیتے، راستے میں دوستوں یگانوں کے گھر ملے، مگر ہم کہیں نہیں ٹھہرے، صرف اپنی ایک بہن کے یہاں کہ عرصہ سے ان کو نہیں دیکھا تھا ایک شب ٹھہر گئے، پھر راہ میں ایک شخص ملے اور ہم سے کہا کہ آپ شاہ صاحبؒ کے پاس جاتے ہیں دو روپیہ لیتے جائیے ان کو دیدیجیئے گا، ہم نے کہا کہ اس شرط پر لئے جاتے ہیں کہ راہ میں ہم کو ضرورت ہو گی تو ہم صرف کر لیں گے، پھر ایک جگہ پہونچے وہاں کے لوگوں کو کچھ حاجت تھی، ہم نے دُعا کی، اُن کی حاجت بر آئی، انھوں نے کچھ روپئے دیئے، بآرام دہلی پہونچ گئے[4]۔

---

[1] انوار العیون مولفہ مولوی حسام الدین احمد صاحب فضلی صفحہ ۱۹۰۔۱۲

[2] فضل رحمانی۔ صفحہ ۵۶۔۱۲ [3] ایضاً۔ جلد ثانی۔ صفحہ ۱۳۳۔۱۲

[4] انوار العیون مولفہ مولوی حسام الدین احمد صاحب فضلی صفحہ ۱۹۲۔۱۲

تعلیم

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں :- حضرت قبلہؒ نے شرح وقایہ مولوی نور صاحب سے لکھنؤ میں پڑھا تھا، اور جب دہلی تشریف لے گئے مرزا حسن علی صاحب محدّث (لکھنوی) اور مولوی حسین احمد صاحب (ملیح آبادی) اور آپ، تینوں صاحب ساتھ گئے تھے، پھر آپ نے علم حدیث شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ اور مولانا شاہ اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا، آپ سات مرتبہ دہلی تشریف لے گئے، مسلسل بالاولیۃ کی سند آپ نے شاہ صاحب سے لی تھی، شاہ صاحبؒ نے چار مہینے ٹھہرنے کو فرمایا تھا، مگر آپ نے معذرت فرمائی کہ والدہ صاحبہ کی اجازت نہیں ہے[1]

"بعض عالم دہلی و سہارنپور سے سند حدیث کی لینے کے لئے آئے تھے، اس وقت حضرت حجرہ میں تشریف رکھتے مجھے اور میں حاضر تھا، ارشاد ہوا کہ ہم نے کچھ تھوڑی حدیث تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے پڑھی، اور باقی شاہ اسحٰق صاحبؒ سے، دوسرے جلسہ میں پھر اس کا ذکر فرمایا، اور آنسو بھر آئے اور یہ شعر پڑھا۔ ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ مکان سے ہم دہلی گئے، اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شاہ صاحبؒ نے حدیث مسلسل بالاولیت سنائی، اور چند اور بھی حدیثیں، اس وقت مرزا حسن علی صاحب محدّث لکھنوی اور مولوی عبدالصمد صاحب وغیرہ بیٹھے تھے، اُن سے فرمایا کہ اگر یہ لڑکا چار مہینے بھی ہمارے پاس ٹھہرے، تو ہم حدیث پڑھا دیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت مجبور ہوں،

---

[1] فضل رحمانی۔ ص ۲۲ و ۲۳۔

میری والدہ نے مجھے ایک ہی مہینہ کی اجازت دی ہے، اس سے زیادہ میں نہیں ٹھہر سکتا، بعض دفعہ فرمایا کہ ہم ایک ایک دن میں دو دو پارے بخاری کے مولانا اسحاق صاحب سے پڑھا کرتے تھے اور مولانا صاحب کبھی کبھی اپنے گھر کے اندر پڑھاتے تھے اور ہم چادر اوڑھے پڑھا کرتے تھے، اور مولانا صاحب کی صاحبزادیاں وغیرہ پھرا کرتی تھیں[1]۔

ارشاد فرمایا کہ ہمارا سن سترہ یا اٹھارہ برس کا تھا جب ہم دہلی میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے پاس حاضر ہوئے تو شاہ صاحب بیمار تھے، آپ نے حدیث مسلسل بالاولیۃ پڑھی، میں نے حدیث پڑھنے کی درخواست کی، فرمایا کہ مولوی اسحاق صاحب سے پڑھو، اُن کے پاس گیا اور کچھ سنایا، اور بعض حدیث کا ترجمہ بھی کیا، شاہ صاحب بہت خوش ہوئے، اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے جا کر بیان کیا، پھر میں شاہ صاحب کے پاس گیا تو فرمایا کہ اگر یہ لڑکا چار مہینے ہمارے پاس رہے تو ہم حدیث کی کتابیں پڑھائیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت، والدہ نے صرف ایک مہینہ کی اجازت دی ہے، نہیں ٹھہر سکتا، اُس وقت تو میں ایک مہینہ کے بعد چلا آیا، پھر جب گیا تو شاہ صاحبؒ کا انتقال ہو گیا تھا، شاہ اسحٰق صاحب سے حدیث پڑھی، ہم تنہا پڑھتے تھے، بخاری شریف کے دو پارے پڑھ لیتے تھے[2]۔

مرشد کا آپ کے ساتھ معاملہ

نواب نور الحسن خاں مرحوم "نور احمدی" میں لکھتے ہیں: "یہ ہمارے حضرتؒ نے حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دیکھا ہے، اور شاہ احمد سعید صاحب اور آپ مولانا محمد اسحٰق صاحبؒ کے درسِ حدیث میں ہم سبق تھے، شاہ احمد سعید صاحب کے بھائی شاہ عبدالغنی صاحب حضرت شاہ محمد آفاقؒ کے داماد تھے،

---

[1] ارشادِ رحمانی۔ ص۵۹۔ [2] ایضاً۔ ص۶۲۔

دونوں صاحب حضرت شاہ محمد آفاقؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، نماز کے وقت حضرت شاہ محمد آفاقؒ ہمارے حضرتؒ کے پیچھے اقتدا فرمایا کرتے تھے، جب آپ سترہ برس کی عمر میں دہلی تشریف لے گئے، اور حضرت شاہ محمد آفاقؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ اُن کو اندرون خانہ لے گئے اور صاحبزادی صاحبہ اور داماد سے فرمایا کہ ان کو نذر دکھلاؤ، ہر چند آپ نے تواضع کی، نہ مانا۔[1]

شادی و مراد آباد کی سکونت

"جب آپ بڑے ہوئے، آپ کی شادی ہوئی، دو بیٹے ہوئے، جناب میاں عبدالرحیم و جناب میاں عبدالرحمٰن صاحب مرحوم، جن کی اولاد موجود ہے، اور مقام ملاواں میں مقیم ہے، اس وقت غلبۂ شریعت آپ پر بہت تھا ایک مرتبہ تعزیے میں آگ لگا دی، نواب لکھنؤ یہ خبر سُن کر آپ کو تکلیف دینے پر آمادہ ہوئے، چودھریان سندیلہ نے آپ کو بچایا، اور بڑی کوشش کی، کچھ عرصہ کے بعد آپ کی بی بی صاحبہ کا انتقال ہو گیا اور اہل بستی نے حسب عادت قدیم جو انبیاء اور اولیاء کے ساتھ چلی آتی ہے کچھ تکلیف پہونچائی، آپ ملاواں کو چھوڑ کر مراد آباد میں آئے اور عقد کا عزم ہوا، آپ کی بی بی کے چچا نے کہ وہ مردم شناس تھے اپنی بھتیجی کا آپ سے عقد کرنا چاہا، مگر آپ کے سالے آپ کے جانی دشمن ہو گئے کہ ایک فقیر سے شادی کرنا چاہتے ہیں، اور جناب احمد میاں صاحب کی والدہ صاحبہ کو منع کیا کہ تمہارا عقد چچا نے ایک فقیر مفلس سے کرنا چاہا ہے، آپ بھی مکدر ہوئیں، مگر چچا نے سمجھا کر عقد کر دیا، چونکہ مراد آباد کے زمیندار اور رئیس آپ کے سسرالی لوگ تھے، اس لئے حقیر سمجھتے رہے، اس وقت ایسی غربت پیش آئی کہ دھینوں اردی اُبال کر کھاتے تھے، مگر نوکری یا پیشہ نہیں کرتے تھے۔[2]

---

[1] نور احمدی۔ مجموعۂ رسائل تصوف۔ ص ۲۹ ۔ ۱۲ [2] فضل رحمانی۔ ص ۲۷ و ۲۸ ۔ ۱۲

معاشرت و سامانِ معیشت

"جب آپ نے رئیسۂ مراد آباد سے عقد فرمایا تو اُن کو اُن کے مکان سے جدا کر کے متصل مسجد (جو آج جناب احمد میاں صاحب کی حویلی ہے) مقیم کیا، اور طریقہ یادِ الٰہی کا اُن کو سکھایا، صحنِ مسجد میں جو ایک گنبد ہے اور آج بھی موجود ہے، قیام رکھا اس طرح پر کہ ایک چارپائی بانده کی بنی ہوئی، بچھاون اُس پر ندارد، اور اس کی بغل میں کلوخ کے ڈھیلوں کا ڈھیر اور ایک لوٹا مٹی کا وضو کرنے کا موجود رہتا تھا اور ایک تین ہاتھ کی چوکی، جس پر چٹائی کھجور کی بھی رہتی تھی، اس میں مدت گذار دی، در دوں کو مٹی سے بند کر دیا تھا، چونکہ شام تک پیسہ کوڑی اور اسباب بیش قیمت نہیں رکھتے تھے، اس لئے کواڑ لگانے کی حاجت نہ تھی۔"

ایک شورش

پھر آپ مسجد کی طرف متوجہ ہوئے کہ نماز با جماعت ہو، تو وہاں اولاً کوئی نمازی نہیں تھا، فقط ایک موذن البتہ دو روپیہ معاش، وقف شدہ سے یا وزراہل معتبر سے پاتا تھا کہ فقط اذان دے کر چلا جاتا تھا، نماز نہیں پڑھتا تھا، مسجد میں ایک طرف تعزیہ رکھا رہتا تھا، آپ نے تعزیہ کو جدا کرنا چاہا، خوانین مراد آباد نے یورش کی، چنانچہ ایک خاں صاحب نے جن کا نام یاد نہیں رہا، نواب وقت کے یہاں جا کر درخواست دی کہ مولانا فضل رحمٰن صاحب نے تعزیہ کو پھینک دیا ہے اور بڑی بے ادبی کی ہے، چنانچہ اس پر حکم ہوا کہ فوج سلطانی جا کر اُن کو گرفتار کر لاوے، تلنگے آئے اور زیادہ حصہ اُن کا گنج آباد میں رہ گیا، آپ اُس روز گلاؤٹھی تشریف لے گئے، وہاں دو تلنگوں کی پہونچی، اور دشمنوں نے وہاں تلنگوں کو پہونچوا دیا، پھر تلنگوں نے گرفتار کیا، اور لوہے کی بیڑی پائے مبارک میں ڈالی، اور گنج آباد تک چھاؤنی میں فوج کے ساتھ لے آئے، اس درمیان میں محمد جعفر خاں ایک صاحب سندیلہ کے، جو اُس وقت راجہ گوالیار کے میر منشی تھے، انھوں نے لکھنؤ کے نواب کو خط لکھا کہ مولوی فضل رحمٰن صاحب کو ہمارے تمہارے اُستاد کے نواسہ ہیں اُن کو چھوڑ دیجئے، نواب نے منظور کر کے

آپ کی رہائی کا حکم بھیجا، آپ ملیح آباد تک پہونچے، بیڑی پائے مبارک سے کاٹی گئی، بیڑی کاٹنے والے کو آپ نے پانچ روپئے انعام دیئے[1]۔

الغرض مراد آباد کی مسجد آپ کے دخل میں آئی، اور جو دشمن آپ کے ہوئے تھے تباہ ہوگئے، پھر آپ نے مدتوں اس میں بسر کی، آپ کی ضرورت و استعمال کے لئے صحن کا کنواں (جو غالباً اسی زمانہ کا ہوگا) بڑا شور تھا، خدا نے اس کو میٹھا کر دیا، ایک مدت تک یہ مسجد شکستہ و بے مرمت رہی، پھر جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب بہادر نے مبلغ دو ہزار روپیہ مسجد شریف کی درستی اور مرمت کے لئے بھیجا[2]۔

پوشاک آپ پارچہ معمولی پہنتے تھے، دو تین جوڑے پارچے سے زیادہ نہیں رکھتے تھے، موسم سرما میں بیشتر رضائی پر اکتفا فرماتے، اسی کو شب کو اوڑھتے اور وہی دن میں اوڑھتے، جب آپ نماز ادا فرماتے رضائی جدا کر دیتے، اور نماز کے وقت سر پر دوپٹہ باندھتے، کرتہ، تہبند نہیں پہنتے تھے، نہ تکیہ گدہ آپ رکھتے، ایک روز حضرت احمد میاں صاحب گدا اٹھاتے تھے، آپ نے دریافت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ ہمارا یہ رتبہ کہاں کہ ہم لباس بزرگوں کا پہنیں [illegible] آپ نوش نہیں فرماتے تھے، مگر بادائے سنت کبھی چکھ لیتے، اکثر آپ دال ماش اور باجرہ کی روٹی یا کھچڑی قدرے قلیل نوش فرماتے، یا دودھ قدرے قلیل نوش کرتے[3]۔

لمبا انگرکھا اور بڑے خط لطہ کا پائجامہ اور دو پلیہ ٹوپی پہنتے تھے، دھوبی کے یہاں سے جب کپڑا آتا، تو آپ اس کو پھر پاک کرتے تھے، اور سکھا کر پہنتے تھے[4]۔

۱؎ فضل رحمانی ۔ ص۲۹ ۔ ۲؎ ایضاً ص۳۰ ۔ ۳؎ ص۱۱۰ [illegible] [illegible]

۴؎ کمالات رحمانی ۔ ص۱۱

وجاہت و محبوبیت مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:- جس وقت حضرتؒ حجرے سے نکلتے تھے، سب لوگوں کی نظر آپ کی صورت کی طرف ہوتی تھی، اور یہی جی چاہتا تھا کہ تمام دن آپ کی صورت دیکھا کریں، چنانچہ ایک مرتبہ مولوی عبدالکریم صاحب سے ذکر آیا کہ آپ کو ہر وقت دیکھنے کو جی چاہتا ہے، مولوی عبدالکریم صاحب نے فرمایا:- خدا کی قدرت ہے کہ غیب سے باری تعالیٰ نے حضرت مولانا قدس سرہٗ کو لباس جمیل سر سے پاؤں تک اوڑھا دیا ہے، اُسی کا یہ اثر ہے کہ ہر شخص کیا مسلمان، کیا ہندو، کیا نصاریٰ، جس نے آپ کی صورت مقدس دیکھی عاشق ہوگیا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ:- لوگ کہتے ہیں کہ مجھے تسخیر کا عمل ہے، ہم نے تو تسخیر کا عمل کبھی نہیں کیا، البتہ "یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ" کا مراقبہ کیا کرتے ہیں، یعنی تسخیر عالم کی وہ وجہ نہیں ہے جو کوتاہ اندیش اور کم مایہ لوگ خیال کرتے ہیں، بلکہ وہ وجہ ہے جس کا ذکر حدیث میں آیا، جسے اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے اُس کا اعلان فرشتوں میں کر دیتا ہے فَأَحِبُّوْهُ (اس کو محبوب رکھنے کا حکم فرماتا ہے)، اور فرشتے اہلِ زمین کے قلوب کو اطلاع دیتے ہیں، جس کی وجہ سے اہلِ زمین کو خواہ مخواہ اُس سے انس پیدا ہوتا ہے اور خود بخود دل اُس کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں[1]

معمولات و اوقات مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:- بعد فراغت نماز صبح تھوڑی دیر ذکر میں مشغول رہتے تھے، پھر کچھ دیر تک مراقب رہتے تھے، ہم لوگ بھی پیچھے بیٹھ کر توجہ لیتے تھے، آپ نے فرما دیا تھا کہ جب میرے حجرہ میں، یا جب میرے پاس بیٹھو، میرے قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھو، راقم شب کو جاکر توجہ لیتا تھا، آپ لیٹے لیٹے کبھی توجہ دیتے، کبھی بیٹھ کر، یہ ذکر اُس وقت کا ہے جب آپ خود امامت کرتے تھے، اور مسجد میں نماز پڑھتے تھے،

---

[1] ارشاد رحمانی ص۳۰-۱۲

اور حجرہ میں مسجد کے رہتے تھے، یا مقبرہ موجودہ جو صحن مسجد میں ہے اُس میں رہتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ طلوع آفتاب تک آپ مسجد میں مشغول رہتے تھے، نماز اشراق ادا کرکے آتے تھے، اور کبھی نماز پڑھ کر حجرہ میں اگر اذکار میں مشغول ہوتے تھے، اور وہیں مراقب رہتے تھے، مگر جب سے آپ کو ضعف ہوگیا تھا مسجد میں آنا موقوف ہوگیا، اور باہر احاطہ مسجد کے قبل از وصال ایک سال سے زائد اُس میں رہے، اور پانچ چھ برس مسجد کے متصل جو حجرہ ہے اُس میں تشریف رکھی، بعد اشراق کے درس حدیث شریف کا ہوتا تھا، اور دس برس پہلے فقط صحت قرآن شریف کی ہوتی تھی، اور اس میں کچھ ترجمہ ہوجاتا تھا، پھر نکتے عجائب اور غرائب بیان ہوتے تھے، اب آخر زمانہ میں تمام دن حدیث ہوتی تھی، آپ لفظاً سے فیض لیتے تھے[1]

بعد نماز مغرب اذکار و اشتغال سے فرصت پاکر حجرۂ مسجد میں کچھ دیر مراقبہ میں رہتے تھے، اکثر مراقبہ محبت کا فرماتے تھے، اور کبھی دوسرا مراقبہ بھی فرماتے تھے، اس لئے بعض مریدوں سے ارشاد فرمایا کہ مراقبۂ محبت یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کا کرتا ہوں، پھر آپ حویلی میں جاکر طعام تناول فرماتے تھے، آپ کے کھانے میں اکثر باجرہ کی روٹی کہ بہت محبوب ہوتی تھی، اور کبھی مونگ کی یا ماش وغیرہ کی دال بھی ہوتی تھی، قلیل سی کھا لیتے تھے، اور کبھی کچھ ہی نہیں[2]

مٹی کے برتن میں ہمیشہ آپ کھاتے تھے، اور بوریئے پر بیٹھتے تھے، عشا کی نماز بہت ہی سویرے ہوتی تھی، بعد ادائے نماز پھر لیٹ جاتے تھے، پھر کلام نہیں کرتے تھے[3]

---

[1] فضل رحمانی۔ ص۳۱و۳۲

[2] " " ص۳۵

[3] " " ص۳۵

تہجد کے وقت جب آپ ایک بجے رات کو بیدار ہوتے تھے تو پوچھتے تھے کہ اس وقت کتنی رات ہے اور کسی کے پاس گھڑی ہے، اگر سب نے کہا کہ نہیں ہے، اُس وقت آپ بہت خفا ہوتے تھے کہ نمازی ہو کر گھڑی نہیں رکھتے ہو، پھر میں نے عرض کیا کہ حضور میرے پاس گھڑی موجود ہے، وقت دیکھتا ہوں، پھر خود ہی شفقتاً فرماتے تھے کہ میں وقت کہہ دوں، ہم عرض کرتے تھے، فرمائیے، آپ ٹھیک اتنی ہی رات فرماتے تھے جو گھڑی میں ہوتی تھی، پھر آپ اُور معمولی وظیفہ پڑھ کر بیٹھتے تھے، اُس وقت پر نسبت تمام دن کے بہت خوش رہتے تھے، اس لئے کہ وہ وقت وہ ہے کہ جس کی شان میں نازل ہوا ہے، - یَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّیْلَ الخ - اس وقت ہم لوگوں سے فرماتے تھے کہ اس وقت جاگا کرو، اُور استغفار پڑھو کہ اس وقت کا جاگنا بڑی فضیلت ہے، جاگنے میں آیت صبر بھی وارد ہوئی، اُور شاید یہ بھی پڑھا - تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا - المختصر تہجد کے وقت عشاق کا مجمع آپ کے پاس ہوتا تھا، اُور کبھی ہم تنہا ہوتے تھے، اُس وقت اشعار عاشقانہ جناب خود پڑھ کر سناتے تھے، اُور کبھی مضامین تصوف از قسم نصیحت یا حکایت بزرگان بیان کیا کرتے تھے، کبھی توحید کا ذکر، اُور کبھی اذکار اشغال کا ذکر بیان فرمایا کرتے تھے، اُور اشعار اس قسم کے پڑھا کرتے تھے۔ ؎

صحبت یک ساعتے با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

دیگر اشعار اُردو :۔ ؎

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر

مگر یہ زندگیٔ مستعار رکھتے ہیں

ارض وسما کہاں تری وسعت کے سامنے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے[1]

تہجد و بیداری کا اہتمام آپ کو تہجد اور بیداری کا اس قدر اہتمام تھا کہ تمام عمر سائیاں میں سردی ہو چاہے گرمی، سب حالت میں وہیں آرام فرماتے تھے فقط اسی واسطے تھا کہ غفلت شب کو نہ ہو جاوے، اور شب کو پہچاننے میں فتور نہ ہو جائے، جب شب تمامی پر ہوتی تھی کچھ لیٹ کر کے بیدار ہوتے تھے، اس وقت سے نماز صبح کا اہتمام ہوتا تھا، اور پھر پوچھتے تھے کہ کہو میاں کچھ شب ہے؟ یا نہیں، کسی نے کہا کہ شب ہے، کسی نے کہا کہ نہیں ہے، آپ فرماتے تھے کہ اب شب نہیں ہے، بعض وقت فرما دیتے تھے کہ اس قدر شب ہے، پھر ذرا سا بھی طہارت میں اگر آپ کو شبہ ہوتا تھا، تو کسی طرح کا جاڑا ہوتا، مگر فوراً بدن پر سے دولائی اتار کر غسل خانہ چلے جاتے تھے، پھر صبح صادق کے وقت نماز صبح کی اذان دلواتے تھے، نماز مذہب حنفیہ کے موافق اول وقت جماعت سے پانچوں وقت تمام عمر ادا کی[2]

معتقدین و زائرین کا ہجوم اور انکی رخصتی بعد طلوع آفتاب اور کبھی قبل طلوع آفتاب مسافران جلد رخصت کئے جاتے تھے، بعض آدمی عذر بھی کرتے تھے، کہ مجھے اجازت ملے کہ میں دو چار روز ٹھہروں، مگر آپ فرماتے تھے کہ اگر دو دن سب مسافروں کو ہم روک رکھیں پھر جگہ یہاں نہ ملے کہ لوگ عافیت سے رہیں، چنانچہ آخر زمانہ میں یہ کثرت ہوئی کہ دس دس دن اور بیس دن کی راہ سے لوگ آتے تھے، اور فوراً رخصت کر دیئے جاتے تھے[3]

---

[1] فضل رحمانی۔ جلد دوم ص۳۷۔

[2] ؍ ؍ ص۳۶و۳۷۔ [3] ایضاً ص۳۸۔

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں :- ایک مرتبہ سات آٹھ رئیس ہمارے ساتھ گئے، ارشاد ہوا کہ آج شمار کرو کہ مسجد میں کتنے آدمی ٹھہرے ہیں، ہم نے جاکر عرض کیا کہ قریب ڈیڑھ سو آدمی کے اس وقت موجود ہیں، باوجودیکہ بہت سے آدمی رخصت کر دیئے گئے تھے، ارشاد ہوا کہ تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟ عرض کیا کہ آٹھ آدمی ہیں، فرمایا کہ اب اُن کو رخصت کرو، عرض کیا کہ ہم سے زائد چودھری نصرت علی صاحب رئیس سندیلہ کے ساتھ ساٹھ آدمی ہیں، اِس لئے کہ اُن کے ساتھ کئی پالکیاں جس میں وہ خود اور اُن کے صاحبزادے اور بہت عورتیں اور رتھ اور گھوڑے ہیں اور شاید ہاتھی بھی ساتھ تھا، اور سات آٹھ سپاہی اور خدمتگار اور اسی طرح بہت آدمی ہیں، ارشاد ہوا کہ اُن کو بھی جانے کو کہو، مگر چونکہ وہ علیل ہو گئے تھے، اِس لئے حضرت احمد میاں صاحب نے اُن کو اپنا مہمان کر لیا۔[۱]

قبل علالت کے آپ کی عادت تھی کہ دروازۂ مسجد تک مسافروں کو پہونچانے آتے تھے، اور بعض بزرگانِ دین کو بستی کے باہر تک بھی پہونچانے جاتے تھے۔[۲]

تحفہ و تبرک | بوقتِ رخصت جو چیز آپ کے پاس موجود ہوتی تھی جیسے کپڑا یا برتن یا کھانے کی چیز مسافروں کو دیدیتے تھے۔[۳]

کسی کو چلتے وقت لوٹا اور دری عنایت فرماتے تھے، اور جس کے پاس راستہ کا خرچ نہیں ہوتا تھا، آپ زادِ راہ اپنے پاس سے دیتے تھے، اور مخفی نہ رہے کہ جو لوگ محض طلبِ خدا میں آتے تھے جلدی آپ اپنی زبان سے نہیں فرماتے تھے کہ چلے جاؤ۔[۴]

۱؎ فضلِ رحمانی ص۳۹۔

۲؎ ” ” ص۳۹۔

۳؎ ” ” ص۴۰۔ ۴؎ ایضاً ص۴۱۔

خفگی اور اس کا سبب

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:- ایک بار ہم نے عرض کیا کہ حضرت اس زمانہ کے آدمی اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مولاناؒ کا سب عمل سنّت پر ہے، مگر مخلوق سے اس قدر بگڑنا یہ کیسی سنّت ہے؟ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ میاں ادھر آؤ اور کان میں فرمایا کہ اوپر کے جی سے میں کڑ کا کرتا ہوں، اور ہم نے اپنے خالق سے پہلے ہی دعا کرلی ہے، کہ جس کے لئے میں بد دعا کروں وہ دعا سمجھی جائے، ورنہ ہجوم خلق سے نماز پڑھنا مشکل ہو، دیہاتی لوگ بہت تنگ کریں، بقول نور میاں صاحب ؎

دیوانگی بھی اپنی ہے تجویز عقل سے — دانائیوں سے چھنتے ہیں نادانیوں میں ہم
جالے خیالِ غیر کہ فرصت نہیں یہاں — ہیں جلوۂ نگار کی دھانیوں میں ہم[۱]

زمانۂ آخر

زمانۂ آخر میں آپ کو خلوت در انجمن زیادہ حاصل تھی، کبھی تو لیٹ جاتے تھے اور چادر اوڑھ لیتے تھے، اور جب کسی نے کچھ عرض کرنا چاہا تو خدام یا صاحب حاجت پیر دباتا تھا آپ اٹھ بیٹھتے تھے مگر اس بیداری میں خلوت در انجمن کا مضمون حاصل تھا اس لئے باتوں میں آپ کی صاف معلوم ہوتا تھا کہ کسی دوسرے کی جانب متوجہ ہیں بہ تکلف ہماری طرف متوجہ ہیں، خط کے جواب میں فقط سلام و دعا پر ختم کرتے تھے اور کبھی کوئی جملہ بھی لکھ دیتے تھے، اور ہر وقت کے کلام میں عجب انداز تھا، خود آپ نے کبھی کسی بات کا سوال کیا اس کا جواب ہم نے دیا، اس پر آپ خفا ہو جاتے تھے کہ کیا بک رہے ہو، عرض کیا گیا کہ آپ نے جو پوچھا تھا اسی کا جواب دیا گیا، فرمایا کہ ہم نے کب پوچھا تھا، الغرض فنائیت اور استغراق اس درجہ کا تھا کہ بعض وقت بہ تکلف ہم لوگوں کو پہچانتے تھے، اور فرماتے تھے کہ کون ہو کہاں سے آئے ہو، گویا آپ کو خلوت در انجمن کا مضمون حاصل تھا۔[۲]

---

۱ فضل رحمانی۔ ص۱۳۲۔ ۲ ایضاً۔ ص۵۳۔

درد و محبّت اور ذوق و شوق

مولاناؒ کے خمیر میں درد و محبت کی ایسی چنگاری تھی کہ ایک ذرا سی تحریک سے مشتعل ہو جاتی تھی اور آپ پر وجد و کیفیت اور عشق و سرمستی کی ایک حالت طاری ہو جاتی تھی، اکثر زبانِ مبارک سے قائمؔ کا یہ شعر پڑھتے تھے جو بالکل حسبِ حال تھا۔ سہ

دل ڈھونڈھنا سینہ میں مرے بوالعجبی ہے
اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

اس دبی ہوئی آگ کو اگر کوئی چھیڑ دیتا، یا ہوا دیدیتا، تو سارے جسم سے اس کی آنچیں نکلنے لگتیں، اور پاس بیٹھنے والوں کو بھی اُس کی گرمی اور آنچ محسوس ہوتی۔

ایک آیت پر کیفیت

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:۔ ایک بار مولانا محمد علی صاحب وغیرہ کا مجمع تھا، قرآن شریف کا ترجمہ ہوا، رکوع یہ تھا:۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ؕ اس کا ترجمہ فرمایا، بعد اس کے وہ آیت پڑھی گئی، جو حضرت اسمٰعیلؑ کے بیان میں ہے:۔ وَكَانَ عِندَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا۔ ترجمہ فرمایا کہ تھا اپنے رب کا پیارا، یہ فرماکر چیخ ماری، اور آپ پر گویا کیفیت مدہوشی کی طاری ہوئی، اس واقعہ کے بعد دو مہینے سخت علیل رہے[1]۔

ایک مرتبہ جب اس آیت کا ترجمہ پیش ہوا:۔ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ یعنی حضرت عیسیٰؑ کو حکم ہوگا کہ کیا تم نے آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ

---

[1] فضل رحمانی ص ۳۳-۱۲۔

ہم کو اور ہماری ماں کو خدا سمجھیں اور خدا کو خدا نہ سمجھیں، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گھبرا کر یہ فرمانا:۔ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ، یعنی غفور رحیم کا موقع تھا مگر عزیز الحکیم فرمایا، اس وقت واقعۂ قیامت گویا سامنے ہوگیا، اور کیفیت مصیبت قیامت کی سب پر طاری ہوئی، مجھ کو خیال آتا ہے کہ زیادہ حضرت نے اس آیت سے اس آیت[1] پر چیخ ماری کہ سب کو پل صراط پر سے ایک روز اُترنا ہوگا، غرض جس چیز کا بیان مجلس میں ہوتا تھا، پہلے آپ پر کیفیت آتی تھی بعد اس کے بطور عکس موافق استعداد، ہر شخص پر طاری ہوتی تھی[2]۔

اللہ کے معنی زبانِ ہندی میں

مولانا سید محمد علی صاحب لکھتے ہیں:۔ ایک روز عصر کے وقت اس کمترین کو نزدیک بلا کر ارشاد کیا، کہ مولوی عبدالقادر صاحب کے ترجمہ سے دو سو برس پیشتر بھاکھا میں نہایت عمدہ ترجمہ قرآن شریف کا ہوا ہے ہم نے دیکھا ہے، اللہ کا ترجمہ جانتے ہو ہندی میں کیا ہے، میں نے تامل کیا، فرمایا "منوہن" الٰہ کو ولہ یلہ سے بھی مشتق کہتے ہیں، مَن کہتے ہیں دل کو، موہن موہنے والا، یہ کہتے ہوئے چیخ ماری اور آہ کی[3]۔

حدیث دوست

ایک بار مولوی امیر احمد صاحب نے مولوی عبدالکریم صاحب[4] کو خط لکھا تھا مولوی عبدالکریم صاحب کا دستور تھا کہ کوئی کام بے اجازت حضرت قبلہؒ کے نہیں کرتے تھے، وہ خط حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے فرمایا کہ اس کے جواب میں لکھ دو:۔ ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم — الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم[5]

---

[1] وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ایسی آیت تھی کہ جس پر آپ نے چیخ ماری۔ [2] فضل رحمانی ص۳۳۔ [3] ارشاد رحمانی ص۳۶
[4] مولانا عبدالکریم صاحب فاضل، صاحب درس تھے، سب چھوڑ چھاڑ کر حضرت مولاناؒ کی خدمت میں آرہے تھے، مولاناؒ کے خلفاء میں ہیں، گنج مرادآباد ہی میں انتقال کیا۔ [5] فضل رحمانی ص۱۴۲-۱۴۳

محبت و نسبت کے بغیر زندگی بیکار ایک بار حضرت قبلہؒ کی مجلس میں ایک بڑے معقولی مدرس کا ذکر آیا، پہلے تو اُن کے تضیع اوقاتی پر چند کلمے افسوس کے فرمائے، جس سے اُن مدرس صاحب کی اہانت نکلتی تھی، پھر حضرت قبلہؒ نے فرمایا کہ گو رحمت اُس کی بڑی وسیع ہے، بخشے گا، مگر کس کام کی وہ زندگی، کہ جب اس میں کوئی بات ہی نہیں پیدا کی[1]

عشق کی دُکان حضرت مولانا محمد علی صاحب نے فرمایا، کہ ایک بار ہم مرادآباد حاضر ہوئے، حضرت قبلہؒ نے فرمایا، کہ:- تم نے کوئی عشق کی دُکان دیکھی ہے؟ - ہم نے سکوت کیا، پھر آپ نے خود ہی فرمایا کہ:- ہم نے دو دُکانیں دیکھی ہیں، ایک شاہ غلام علی صاحبؒ اور دوسری حضرت شاہ آفاق رحمۃ اللہ علیہ کی کہ اس دُکان میں سودا عشق کا بکا کرتا تھا۔[2]

اللہ رسول پر جان قربان کرنا چاہئے مولانا محمد علی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز ارشاد فرمایا، کہ:- پڑھنے پڑھانے سے کیا ہوتا ہے، دیکھو میں کچھ قرآن شریف پڑھ لیتا ہوں اور تھوڑا سا کچھ اور، پھر لطف میں آکر فرمایا کہ اللہ رسول پر جان قربان کرنا چاہئے، اس سے سب کچھ ہوتا ہے، اور چند شعر پڑھے، جن میں سے دو شعر یہ ہیں:- ؎

سحر میں سامری کے کیا قدرت ؛ تیری آنکھوں میں جو اثر دیکھا

ہجوم داغ نے میرے یہ گلفشانی کی ؛ کہ اُس نے آپ تماشے کو مہربانی کی[3]

پریم کا پیالہ ایک جوان لڑکا، طالب خدا حضرتؒ کی خدمت میں آیا، آپ نے از روئے امتحان مسجد سے نکلوا دیا، جب دروازہ کھلا، احمد میاں صاحب اُس کا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں لے آئے، پھر آپ نے کچھ نہ فرمایا، بعد نماز کے اُس کو بلا کر مطلب پوچھا، کہا پریم کا پیالہ پلا دو،

---

[1] فضل رحمانی صفحہ ۱۳۰ - [2] فضل رحمانی حصہ دوم ص ۲۹ - [3] ارشاد رحمانی صفحہ ۱۴۴ - ۱۲

آپ نے شربت منگاکر آدھا خود نوش فرمایا، اور آدھا اُس کو پلا دیا اور فرمایا کہ چلا جا۔ وہ کامیاب رُوانہ ہو گیا۔[1]

اللہ کی محبّت میں مزہ ارشاد ہوا کہ:۔ اللہ کی محبّت میں جو مزہ ہے وہ جنّت کی چیزوں میں نہیں ہے، حور و قصور اور کھانے کی چیزیں اور حوض کوثر ان سب کا مزہ اس مزہ کے روبرو کچھ نہیں ہے، عاشقوں کو جنّت بھی اسی وجہ سے پسند ہوگی کہ انھیں اُسی کا جمال ہے۔ ؎

عاشقاں را روزِ محشر با قیامت کار نیست
کارِ عاشق جز تماشائے جمالِ یار نیست

ہمیں یہ مزہ قرآن مجید پڑھنے میں آتا ہے، جنّت میں جب ہمارے پاس حوریں آئیں گی تو اُن سے کہیں گے کہ آؤ ذرا قرآن مجید تو سُن لو، بعض مرتبہ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ قریب تھا کہ دم نکل جائے، مگر حضرت (شاہ محمد آفاق صاحبؒ) پاس بیٹھے ہوئے تھے، اللہ کے فضل سے بچ گئے۔[2]

دردِ عاشق مولانا محمد علی صاحب نے ایک مرتبہ مزاج مُبارک کا حال دریافت کیا، اگرمیں دَرد تھا، فرمایا کہ:۔ ہم ہمیشہ اچھے رہتے ہیں، اور یہ شعر پڑھا۔ ؎

نزدِ عاشق دردِ غم حلوا بود ٭ گرچہ بادیگر کساں بلوا بود

پھر اور مضامینِ عشقیہ اور اشعار زبانِ فیض ترجمان سے جوش میں نکلے جس سے بہت کچھ کیفیت اور گریہ رہا۔[3]

اہلِ دَرد اور اہلِ محبّت کو بڑی مدد اشعار عاشقانہ سے ملتی ہے، اس "حدیثِ دیگراں" میں وہ "سرِّ دلبراں" بیان کرتے ہیں، اور دلوں کا سر جوش ان اشعار کی راہ سے نکلتا ہے، کسی عرب

---

[1] مجموعۂ رسائل تصوف ص۶۵ [2] ارشادِ رحمانی ص۱۵ [3] ارشادِ رحمانی ص۸

شاعر نے سچ کہا ہے۔ ؎

سقونی وقالوا لا تغنّ و لو سقوا
جبال سُلیمی مَا سُقیتُ لغنّتِ

"مجھے جام محبت پلایا اور ترنم اور نغمہ سرائی سے منع کیا، حالانکہ پہاڑ کو بھی اگر یہ جام پلا دیا جائے تو وہ نغمہ سرا ہو جائیں"

مولانا لطف و شفقت کے وقت بکثرت شعر پڑھتے، اللہ تعالیٰ نے ایسا مذاقِ سلیم عطا فرمایا تھا کہ جو شعر زبان سے نکلتا وہ انتخاب ہوتا، اور دل کی کیفیت کا صحیح ترجمان، اُن کی قلبی کیفیت، پڑھنے کا لطف اور موقع بھی اس شعر میں جان ڈال دیتا۔ اور سننے والوں کے دل پر نقش ہو جاتا۔

اشعارِ عاشقانہ مولانا محمد علی صاحب لکھتے ہیں: حضرت قبلہؒ کو اشعار کثرت سے یاد ہیں اور جس مجلس میں آپ لطف میں آ کر اشعار پڑھنے لگتے ہیں، وہ صحبت بھی عجیب لطف کی ہوتی ہے جس کے مزے کو دل ہی جانتا ہے، نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ چند اشعار جو آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلے ہیں، اور اس وقت پیشِ نظر ہیں، ہدیۂ اہلِ مذاق کروں، ایک روز بعد نمازِ صبح حسبِ معمول حضرتؒ مراقب تھے، اور یہ کمترین پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ رقت طاری ہوئی، آپ فارغ ہو کر کھڑے ہوئے، میں اسی حالت میں تھا، آپ نے مجھے دیکھ کر یہ شعر پڑھا۔

اے خوش آں چشمے کہ گریاں می نمود
اے خوش آں جانیکہ بریاں می نمود

اس شعر کے سنتے ہی میں از خود رفتہ ہو گیا۔ رباعی۔ ؎

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند فرزند و عزیز و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

صحیح بخاری کا سبق ہو رہا تھا، اس میں وہ حدیث آئی کہ لوگ صحابۂ کرامؓ کو اور اُن کے بعد تابعین کو تلاش کیا کرتے تھے تاکہ اُن کی برکت سے دشمن پر فتح یابی چاہیں، اس وقت حضرتؒ نے یہ شعر پڑھا:۔ ؎

سرسبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو
ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

رتیا شاہ جو ایک کامل درویش تھے، اُن کا ایک مرید "پھر مانگ" لکھا تا پھرتا تھا، حضرتؒ نے فرمایا کہ وہ میرے پاس آیا، اور مجھ سے بھی لکھنے کی درخواست کی، میں نے کہا کہ ہم نہیں لکھتے، یہ تو بتاؤ کہ تم کیوں لکھواتے ہو، اُس نے کہا مرشد نے کہا ہے اور میں کچھ نہیں جانتا، حضرتؒ نے فرمایا کہ ہم سے سنو، اور یہ قطعہ اُسے سنایا۔ قطعہ۔ ؎

کس نے پھر مانگ کہا کس نے منگایا مجھ کو　　کس نے دیوانہ صفت آپ پھرایا مجھ کو
تو وہ داتا ہے کہ سیری نہیں دینے سے تجھے　　لذت جود سے پھر مانگ سکھایا مجھ کو

یعنی اُدْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ قرآن مجید میں فرمایا۔

ایک روز حضرتؒ سورۂ مریم پڑھ کر اُس کا ترجمہ فرماتے تھے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے حال میں یہ آیت آئی:۔ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا، اس کا ترجمہ کیا "اور تھا اپنے رب کا پیارا" اور زور سے چیخ ماری اور سکوت کیا، پھر یہ شعر پڑھا:۔ ؎

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

اُسی روز آپ بیمار ہوئے، اور بعض اوقات یہی شعر پڑھتے تھے، جس کی وجہ سے اراد تمندوں کو ہراس ہوتا تھا۔

یہ شعر بھی اکثر آپ کی زبانِ مبارک سے سنا گیا۔ سہ

ہجومِ داغ نے میرے یہ گلفشانی کی ۔۔۔ کہ اُس نے آپ تماشے کو مہربانی کی

دن میں سَو سَو بار قرباں جانا مجھے ۔۔۔ اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے

دل کس کی چشمِ مست کا سرشار ہو گیا ۔۔۔ کس کی نظر لگی کہ یہ بیمار ہو گیا

ہندی اشعار

باسُمرُوں مورٔ لبُدُ گیو تو ہیں ۔۔۔ سُمرن تور بسر گیو مو ہیں

اَپنے پیا پر تَن مَن وَاروں، جو وَاروں سو تھوڑا رے
ندیا کنارے مورلا بولے، میں جانوں پیا مورا رے

گونا کے باجے باجن لاگے، انگنا میں تمھاری نچاؤں
اُن کے نام کی آسا لگی ہے، جن کا مُحمّدؐ ناؤں

جانیے کس واسطے اے دردؔ میخانہ کے بیچ ۔۔۔ اَور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانہ کے بیچ

کیا کریں سیرِ چمن یاں آرزو کچھ اَور ہے
گل کو کیا سونگھیں دماغ اپنے میں بو کچھ اَور ہے

ایک مرتبہ فرمایا کہ بوڑھے ہونے سے کچھ آتشِ محبت کم نہیں ہو جاتی، بلکہ زیادہ ہو جاتی ہے، اور یہ شعر پڑھا :- ؎

دل ڈھونڈھنا سینہ میں مرے بوالعجبی ہے ٭ اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے[1]

مولوی سید تجمل حسین صاحب کہتے ہیں، ایک بار بوقتِ رخصت ارشاد ہوا :- ؎

دیدۂ سعدی و دل ہمراہِ تست ٭ تا نہ پنداری کہ تنہا می روی[2]

ملّاواں کے راستہ میں ایک باغ پڑا، اس میں کھڑے رہے، اور فرمایا :- ؎

بادِ نسیم آج بہت مشکبار ہے ٭ شاید ہوا کے رُخ پہ کھلی زلفِ یار ہے

شعر فرمودۂ حضرتؒ :- ؎

جب عشق میں تیرے بھر گئے ہم ٭ تو ہی رہا گذر گئے ہم
تیرے ہی طرف کو راہ نکلی ٭ بھولے بھٹکے جدھر گئے ہم

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے تعلّق وعشق

مولوی تجمل حسین صاحب اور نواب نورالحسن خاں لکھتے ہیں کہ حضرتؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں پڑھا :- "جن گلیاں محمدؐ چلیں وہ گلیاں میں پلکن بہوروں"[3]

نواب نورالحسن خاں مرحوم لکھتے ہیں :- ایک صاحب نے دو کتابیں تصوف کی حضرت قبلہؒ کی خدمت میں پیش کیں، حضرتؒ نے فرمایا، کہ :- میں کوئی کتاب تصوف کی نہیں دیکھتا، اور میرا دل خود تصوّف ہے، اور میرا تصوّف یہ ہے، پھر سورۂ مزمل کی پہلی آیت پڑھ کر ترجمہ فرمایا، اور شعر نعت کا پڑھا۔

تر ہوئی باران سے سوکھی زمین ٭ یعنی آئے رحمۃٌ للعالمین[4]

---

[1] ارشادِ رحمانی ص۵۱-۵۲ ۔ [2] فضلِ رحمانی ص۴۵ ۔ [3] فضلِ رحمانی ص۶۵ و مجموعۂ رسائل تصوف ص۳۱ ۔
[4] صحیفۂ راز ۔ مجموعۂ رسائل تصوف ص۱۹۷ ۔ ۱۲

اتباعِ سنّت اور احترامِ شریعت

اس عشق و محبت ذوق و شوق کے باوجود اس درجہ کا اتباعِ سنّت اور احترامِ شریعت تھا کہ مبصر اور صاحبِ نظر دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس درجہ کا متبعِ سنّت ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، ان دو چیزوں کا اجتماع ایسا نادر و نایاب ہے کہ کہنے والوں نے بہت پہلے کہا ہے :-

در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

لیکن مولانا کی زندگی "سندانِ عشق" اور "جامِ شریعت" کے اجتماع کا اس دورِ آخر میں بہترین نمونہ ہے۔

علوِ مرتبہ کا سبب مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں :- میں نے عرض کیا کہ حضور نے کون سا عمل عمدہ فرمایا ہے کہ اس درجہ کو پہونچے۔ ارشاد ہوا کہ، بسنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے سے[1]۔

شریعت کے بغیر کچھ نہیں فرمایا کہ :- غوث ہو یا قطب، جو خلافِ شرع کرے، وہ کچھ بھی نہیں[2]۔

اتباعِ سنّت کا درجہ نواب نورالحسن خاں صاحب لکھتے ہیں، حضرتؒ نے فرمایا کہ :- اتباعِ سنّت یہی غوثیت اور قطبیت ہے[3]۔

---

[1] فضلِ رحمانی ص۱۳۶۔

[2] مجموعۂ رسائلِ تصوف ص۱۴۴۔ [3] ایضاً ص۱۴۵۔

اتباع کے معنی ایک جلسہ میں یہ ارشاد ہوا کہ:۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللہُ اس کا ترجمہ کو پھر خود ہی فرمایا کہ:۔ ہماری چال چلو، تب پیار کرے گا اللہ تم لوگوں کو۔[1]

اتباع شریعت کی تاثیر مولانا سید محمد علیؒ لکھتے ہیں:۔ مشائخ تصور شیخ بھی تعلیم کرتے ہیں اور اس کو نہایت موثر اور سہل ترین راہ بتاتے ہیں، مگر ہمارے حضرت مدظلہم العالی بسبب کمال احتیاط کے اس کی تعلیم نہیں فرماتے، میں نے مکرر تصور شیخ کی نسبت دریافت کیا، ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ ہمارے حضرت کے یہاں یہ تعلیم نہیں تھی، شیخ کی محبت اور اس کا اتباع چاہیئے، اور محبت کی وجہ سے بے اختیار تصور آجانا اور بات ہے، خود صحابہ کو ایسا ہوتا تھا، چنانچہ بعض صحابہ کا مقولہ ہے:۔ کانی انظر الی وبیص ساقیہ۔[2]

ارشاد ہوا کہ تصور یا بے تصور شیخ کی محبت ہونی چاہیئے، ہم نے کبھی نہیں کیا، ہم تو وہی باتیں کرتے تھے جو حدیث میں آئی ہیں، اسی سے کلمۂ لا الہ الا اللہ جاری رہتا تھا، یاد رکھو کہ جو بات شریعت کے اتباع اور اُن اعمال سے حاصل ہوتی ہے جو حدیث میں آئے ہیں وہ کسی سے نہیں ہوتی۔[3]

اذکار و اوراد میں حدیث کی پیروی مولانا سید محمد علیؒ لکھتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ بعد ظہر انا فتحنا پڑھنا چاہیئے؟ ارشاد ہوا کہ حدیث میں نہیں آیا، پھر عرض کیا کہ بعد عصر عم یتساءلون پڑھنا چاہیئے؟ ارشاد ہوا کہ یہ بھی حدیث میں نہیں آیا، مگر میں کبھی بعد عصر اور کبھی قبل عصر پڑھ لیتا ہوں۔[4]

ایک مرتبہ حضرت قبلہؒ نے یہ دعا پڑھی:۔ اَللّٰھُمَّ اغفر لی ذَنبی وَوَسِّع لی فِی دَاری وَبَارِکْ لِی فِی رِزْقِی۔ اور ارشاد ہوا کہ وضو کے اندر اسی دعا کا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے

---

[1] فضل رحمانی حصہ دوم ص۔ [2] ارشاد رحمانی و فضل یزدانی ص۲۱۔ [3] ایضاً ص۲۲۔
[4] ارشاد رحمانی و فضل یزدانی ص۲۵-۲۹۔

اور کسی دعا کا پڑھنا حدیث میں نہیں آیا۔[1]

میں نے عرض کیا کہ پیشتر حضور فلاں آیت پڑھ دیتے تھے، ارشاد ہوا کہ حدیث میں نہیں آیا، معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف حالت کی وجہ سے معمول میں اختلاف ہوا، آخر میں اتباعِ سنّت کو غلبہ ہوگیا، اس وجہ سے انھیں اعمال پر مدار رہا جو بہ تخصیص حدیث میں آئے ہیں، اگرچہ کسی اور آیت کا پڑھ دینا خلافِ حدیث نہیں ہے۔[2]

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ فقیر نے عرض کیا کہ ہم نماز ظہر میں اللّٰہ الصمد پانچ سو مرتبہ پڑھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ :۔ حدیث میں قل ھو اللّٰہ احد اللّٰہ الصمد پورے سورہ تک پڑھنے کو فرمایا ہے، اور اللّٰہ الصمد تو نہیں فرمایا۔ کسی اور دعا کو ہم نے پیش کیا، آپ نے فرمایا کہ پڑھنے کو تھوڑی منع کرتے ہیں، ذکر اس کا ہے کہ سنّت نہیں ہے، حضرتؒ کو سنّت کا بڑا لحاظ تھا۔[3]

ماثور دعائیں

نواب نورالحسن خاں مرحوم لکھتے ہیں، حضرت نے فرمایا، کہ :۔ مشائخ سے جو دعائیں منقول ہیں اُن میں وہ تاثیر نہیں جو کہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے دعائیں فرمائی ہیں ان میں ہے۔[4]

درود شریف کی اہمیت

ارشاد فرمایا :۔
"درود بکثرت پڑھو، جو کچھ ہم نے پایا، درود سے پایا۔"[5]

---

[1] ارشاد رحمانی و فضل یزدانی ص۲۹۔
[2] ایضاً ص۳۵
[3] فضل رحمانی (جلد ثانی) ص۷
[4] مجموعۂ رسائل تصوف ص۲۷
[5] فضل رحمانی ص۳۶۔

اتباعِ سنّت کا مفہوم آپ نے فرمایا، کہ :- اتباعِ سنّت یہی ہے کہ جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اسی طرح کرے گھٹائے بڑھائے نہیں، اور یہ قطعہ پڑھا :- ؎

گرد نعل اسپ سلطانِ شریعت سُرمہ کُن
تا شود نورِ الٰہی باد وچشمت مقترن[1]

فنا فی الرّسُول کا مطلب مولانا محمد علی صاحب لکھتے ہیں، کہ :- ارشاد ہوا کہ افعالِ ظاہری رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسہولت اور بے تکلف ہونے لگنا یہی فنا فی الرّسُول ہے، اور کچھ نہیں[2]۔

ولایت کی تعریف مولانا تحریر فرماتے ہیں :- ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت حالتیں سب کچھ طاری ہوتی ہیں مگر وہ جو بات ہے وہ نہیں ہے، ارشاد ہوا کہ کوئی آسمان پر اُڑنے نہیں لگتا ہے، ولایت اسی کو کہتے ہیں کہ احکامِ شریعت بے تکلف ہونے لگیں اور افعالِ شریعت ایسے ہو جائیں کہ گویا اُمورِ طبعی ہیں[3]۔

رسوم کی ناپسندیدگی مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ :- چودھری (محمد عظیم صاحب) نے یہ بھی بیان کیا کہ وزیر علی شاہ صاحب کے انتقال کے بعد ہم بطور تعزیت سوم روز گئے، اور ہم حساب کرکے گئے کہ آج سوم ہے مگر وہاں کچھ نہیں تھا، اُن کے بیٹے نے کہا کہ شاہ صاحب کی وصیت تھی کہ سوم چہارم یہ سب ہمارا نہ ہو، چنانچہ "باگر مئو" سے ہم

---

[1] انوار العیون - مولفہ مولوی حسام الدین احمد صاحب فضلی ص۱۹۳ -

[2] ارشاد رحمانی ص۳۶ - [3] ایضاً ص۳۶ -

واپس آئے تو حضرت قبلہؒ دروازے پر کھڑے تھے، فرمایا کہاں سے آتے ہو، چودھری صاحب نے کہا میاں وذیر علی شاہ صاحب کے یہاں تعزیت کو گئے تھے، اور آج روز سوم حساب کرکے گئے تھے مگر معلوم ہوا کہ سوم چہارم کی ممانعت میں وصیت کی تھی، اس پر حضرت قبلہؒ خوش ہوئے اور فرمایا ہاں یہی چاہیئے اور بعض جگہ کچھ اور لفظ بھی فرمایا جس کے معنی یہ ہیں کہ شریعت کی پابندی عمدہ چیز ہے[1]

★ چہلم وعرس کی ممانعت

ہم نے یعنی فقیر تجمل حسین نے حضرت قبلہؒ سے عرض کیا کہ بدعت کی جزئیات کو فرما دیجئے، مثلاً بعد انتقال حضور کے چہلم و چہارم ہوگا یا نہیں ؟۔ آپ نے فرمایا کہ صحابہؓ کا فعل یہ نہ تھا، الغرض آپ کے عہد میں یہ سب نہ تھا، پھر ہم نے عرض کیا کہ بعد انتقال حضور کے عرس مزار پر آپ کے ہو یا نہیں ؟۔ آپ نے فرمایا ہرگز عرس نہ ہو جب کوئی نے فضل رحمٰن کا انتقال ہوا تو چار قل پڑھ کر بخش دے، بس اس سے زیادہ کچھ نہ کرے، اس پر جناب احمد میاں صاحب نے فرمایا کہ قل وعرس تمام بزرگان کا ہوتا ہے، یہاں بھی ہونا چاہیئے آپ نے بہت خفا ہوکر فرمایا کہ ہرگز نہ ہو، ہماری قبر پر کوئی میلہ نہ کرے۔[2]

بدعات ورسوم کی مخالفت

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں :۔ ارباب مونگیر نے تعزیہ کے بارے میں حضرت قبلہؒ کی خدمت میں استفتا ارسال کیا، آپ نے اس پر یوں تحریر فرمایا :۔ "امور مذکورہ را قائل فیم ہر چہ خلاف سنّت است بدعت است[3]"۔ عرض کیا گیا کہ چہلم وسوم جو آج کل مسلمانوں میں مروج ہے بدعت ہے یا نہیں ؟ فرمایا :۔ بیشک بدعت ہے۔[4]

---

[1] فضل رحمانی ص۳۰

[2] کمالات رحمانی ص۳۶

[3] ″ ″ ص۱۳۲/۱

[4] ایضاً ص۱۳۳

راقم نے عرض کیا کہ حضور کے انتقال کے بعد ہم لوگوں کا اجتماع آپ کے مزار پر عرس کے لئے ہو یا نہیں، یا یہ بھی بدعت ہے، آپ نے فرمایا کچھ ضرور نہیں ہے، ہماری قبر پر کوئی جمع نہ ہو، حضرت احمد میاں صاحب نے فرمایا کہ تمام درویشوں کا عرس ہوتا ہے، لوگوں کو فیض ہوتا ہے، آپ نے فرمایا کہ جب کوئی سُنے ہم مر گئے اُسی وقت الحمد اور چار قل پڑھ کر ہم کو بخش دے، اُس وقت اُس کو فیض پہونچے گا، راقم کہتا ہے کہ حضرت قبلہؒ کو خیال سنت کا بہت تھا، آپ نے اپنے پیر کا عرس نہیں کیا اور نہ اُن کے پیر نے اپنے پیر کا عرس کیا۔[1]

احکام و مسائل شریعت کا احترام

ایک مرتبہ مولوی محمد شفیع صاحب بجنوری نے حج کو جانے کا ارادہ ظاہر کیا، حضرت مولاناؒ نے فرمایا: شرائط حج کی بھی خبر ہے یا ویسے ہی حج کا ارادہ کر لیا، حضرت مولانا کا مطلب یہ تھا کہ زاد و راحلہ و نفقہ اہل و عیال بھی ہے یا نہیں، مولوی محمد شفیع صاحب نے عرض کیا: — حضرت! جی ہاں شرائط کی خبر ہے۔ فرمایا: — کیا خبر ہے؟ — انھوں نے حضرت خواجہ حافظ کا یہ شعر پڑھ دیا ؎

دررہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطر ہاست بجاں
شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

حضرت مولاناؒ نے یہ شعر سُن کر ایک پر جوش نعرہ لگایا، لیکن فوراً ہی سنبھل گئے، اور فرمایا کہ سب واہیات ہے جو شریعت نے فیصلہ کیا وہی برحق و درست ہے۔[2]

حدیث و فقہ کی عظمت

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں: — ایک بار کانپور کے ایک مشہور مدرس صاحب آپ کی خدمت میں پہونچے، آپ نے حسب عادت پوچھا کہ کیا پڑھاتے ہو، انھوں نے سب علموں کا نام بتایا، معقول کو زائد بتایا، آپ نے

---

[1] فضل رحمانی ص۱۳۴ [2] ارواح ثلثہ ص۲۵۸

فرمایا کہ منطق کے زیادہ پڑھانے سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے، حدیث فقہ پڑھایا کرو، دیکھو اگر کسی کے آنکھ ہو تو ہم بتاویں اور دکھا دیں کہ مولوی عبدالحی مرحوم کی قبر میں کیا حالت ہوئی کہ قرآن کی منور ہے، ہدایہ کا حاشیہ لکھنے کے سبب سے اللہ نے اُن کو اس درجہ میں رکھا ہے، قاضی مبارک کو دیکھو کہ معقول کے اشتغال سے کیا حالت ہوئی۔[1]

علم وعلماء کا احترام

شریعت کی جو تعظیم و توقیر آپ کے دل میں تھی اس کا اثر و نتیجہ یہ تھا کہ آپ علمائے شریعت کی بڑی تعظیم و توقیر فرماتے، اور اگر کوئی عالم ربانی آپ کی خدمت میں آتا تو بڑی پذیرائی اور احترام فرماتے اور بڑا اہتمام کرتے، اور آپ کو اس کی آمد کی بڑی خوشی ہوتی، مولوی سید تجمل حسین صاحب فرماتے ہیں: جب مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کی ملاقات کو تشریف لائے تو اتنی بڑی خوشی آپ کو تمام عمر نہیں ہوئی تھی، آپ نے اپنی چارپائی پر بٹھایا اور تعظیم کی، اور فرمایا کہ میں نے بوڑھا ہو کر تمہاری تعظیم بہ سبب تمہارے علم کے جو کی، اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعظیم کی تھی، اور جناب احمد میاں صاحب کو بلا کر فرمایا کہ تم کو ان کے آنے سے خوشی ہوئی یا نواب حیدرآباد کے آنے سے، حضرت احمد میاں نے فرمایا کہ ان کے آنے سے میں خوش ہوا، حضرتؒ نے فرمایا کہ تم اپنے نئے مکان کے دالان میں چارپائی بچھاؤ کہ یہاں مسجد میں زمین پر تکلیف ہوگی اور کھانا ان کے واسطے اچھا اچھا تیار کرو۔[2]

جب مولانا احمد علی صاحب علیہ الرحمۃ تشریف لائے اُن کے آنے میں بھی آپ نے بہت خوشی کی، اس لئے کہ آپ مولانا شاہ اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔[3]

---

[1] فضل رحمانی ص۱۳۳۔ [2] ایضاً ص۲۴۰-۲۴۳/۱۔ [3] ایضاً ص۲۴۵/۱۔

اسی طرح سے مولوی امیر احمد صاحب سہسوانی مولوی عبد الکریم صاحب کے اُستاد تشریف لائے، حضرتؒ آپ کے آنے پر بھی بہت خوش ہوئے، چونکہ علم اَدب میں اُن کا زیادہ شہرہ تھا، اس لئے بوقت سبق بخاری شریف کے بڑا حلقہ اہل علم کا تھا، مولوی امیر احمد صاحب سے جا بجا لُغت وغیرہ استفسار فرماتے رہے، مولوی صاحب موصوف بتاتے گئے، مولانا نور اللہ مرقدہ آپ سے بہت خوش ہوئے، اَور کیوں نہ ہو، یہ پُرانے مدرس تھے[۱]۔

بالآخر مولوی امیر احمد صاحب رخصت کئے گئے، اس طرح پر کہ مولوی عبد الکریم صاحب کئی برس سے مسجد میں معتکف تھے، اَور احاطۂ مسجد سے باہر نہیں ہوئے تھے، مگر اُس روز اُن کو حکم ہوا، کہ مولوی عبد الکریم صاحب بستی کے باہر تک اپنے اُستاد کے ساتھ پہونچانے جا دیں[۲]۔

۱؎ فضل رحمانی ص ۴۶/۱

۲؎ " " ص ۴۷/۱

قرآن و حدیث سے عشق

قرآن و حدیث سے آپ کو ایسا شغف تھا جس کو عشق سے کم کسی لفظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، آپ کے واقعات و کیفیات ہی سے اِس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

قرآن کی لذت و دولت

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں :- ایک روز آپ تلاوت قرآن کر رہے تھے، کہ آپ پر کیفیت طاری ہوئی، راقم سے فرمایا، کہ جو لذت ہم کو قرآن میں آتی ہے اگر تم کو وہ لذت ذرہ بھر آوے تو ہماری طرح نہ بیٹھ سکو، کپڑے پھاڑ کر جنگل کو نکل جاؤ، آپ نے آہ کی، اور حجرہ میں تشریف لے گئے، اور کئی روز تک بیمار رہے[۱]

مولانا سید محمد علی صاحب نے فرمایا کہ میں نے ابتدا میں حضرت سے عرض کیا کہ ہم کو جو مزہ شعر میں آتا ہے قرآن شریف میں نہیں آتا، آپ نے فرمایا کہ ابھی بُعد ہے، قُرب میں جو مزہ قرآن شریف میں ہے، کسی میں نہیں[۲]

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ مجھ سے فرمایا، کہ : قرآن شریف اور حدیث پڑھا کرو کہ اللہ میاں دل پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں[۳]

ایک روز آپ نے فرمایا، کہ : نسبت قرآن کی غایت سلوک ہے[۴]

ایک مرتبہ فرمایا، کہ :- ہم کو اگر قرآن شریف کے بدلے جنت ملے تو منظور نہیں، اگر قرآن شریف ہو تو کیا مضائقہ ہے، ہمارے پاس جنت میں حوریں آئیں گی تو اُن سے ہم کہیں گے کہ آؤ بی بی بیٹھ جاؤ، تم بھی قرآن شریف سنو[۵]

۱؎ ذکر رحمانی ص۷ ۔ ۲؎ مجموعہ رسائل تصوف ص۱۲۹ ۔ ۳؎ کمالات رحمانی ص۵۲ ۔ ۴؎ اسرار محبت (مجموعہ رسائل تصوف) ص۹۵
۵؎ فضل رحمانی ص۔۔۔

شغلِ حدیث

مولانا اشرف علی صاحبؒ راوی ہیں کہ ایک بار حدیث شریف کا سبق پڑھا کر یہ شعر پڑھا :- ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الّا حدیثِ دوست کہ تکرار می کنیم[1]

حدیث سے خوشی

مولوی سید تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں، کہ :- بعض وقت ملکہ کبھی مرتبہ ہم نے خود رخصت ہونا چاہا، آپ فرماتے تھے کہ جلدی کیا ہے، ٹھہرو حدیث ابوداؤد شروع ہوئی ہے، اور کبھی پہونچنے کے ساتھ ہی آپ بہت خوش ہو کر مجھ سے فرماتے تھے، کہ :- اچھا ہوا کہ تم آئے، حدیث شروع ہوئی ہے[2]

حدیث پڑھنے میں توجہ الٰہی

ایک محدث صاحب تشریف لائے، تو حضرت قبلہؒ نے فرمایا، کہ :- تم جانتے ہو کہ حدیث پڑھنے میں اللہ کو کیسی محبت ہوتی ہے، اور کیسا پیار ہوتا ہے، جیسے کسی عورت کا لڑکا مر جائے، اور اُس کی کوئی کتاب پڑھنے کی ہو، اور اُس لڑکے کے مرنے کے بعد اُس کی ماں کسی طالب علم کو دے، کہ یہ میرے لڑکے کی کتاب ہے، اس کو پڑھو اور ہم کو سناؤ، اب اس وقت پڑھنے میں جو کیفیت اور جوش محبت اُس کی ماں کو ہوتا ہے، ویسا ہی بعد رسولؐ کے اُن کی حدیث پڑھوانے سے ایک محبت کا جوش اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے[3]

---

[1] ارواحِ ثلٰثہ ص۲۹۵ ۔

[2] فضلِ رحمانی ص۴۲ ۔

[3] " " ص۴۲ ۔ یہاں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی میں تمثیل مقصود ہے ۔ ۱۲

حدیث کا فیضان

ایک بار آپ نے حدیث کے فیضان کو فرمایا، کہ:۔ شیخ عبدالحق محدثؒ جہاں حدیث پڑھاتے تھے، ایک بزرگ نے دیکھا کہ وہاں انوار آسمان سے زمین تک نازل ہو رہے ہیں، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہاں درس حدیث ہوتا تھا، اب وہاں گنوار رہتے ہیں[١]

حدیث و قرآن کی مزاولت کے اثرات

مولوی سید تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں، کہ تعلیم امور باطنی کے باب میں جو طریقہ مروجہ ہے اس بارہ میں آپ سے عرض کیا، اُس پر ارشاد ہوا، کہ:۔ یہی طریقہ شریعت عمدہ ہے، اسی حدیث و قرآن کی مزاولت اور اسی کی محبت کی برکت سے بڑے مراتب حاصل ہوئے ہیں، اور اصل دل کی درستگی۔ ہے اور شریعت کی پابندی[٢]۔

درس حدیث کے وقت سرور و فیض

آخر عمر میں آپ کو اکثر استغراق رہتا تھا، مگر نماز کے وقت آپ کو استغراق کی کیفیت نہیں ہوتی تھی اور حدیث کے وقت آپ خوش ہوتے، اور حاضرین پر فیض کا نزول ہوتا، بعد ختم حدیث کے دعا فرماتے[٣]

درس حدیث کی کیفیت

مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری اپنی حاضری کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، میں حاضر ہو کر ادب سے بیٹھنا چاہتا تھا کہ آپ نے فرمایا، کہ:۔ بخاری لا کر انھیں دو: میں نے پڑھنا شروع کیا، اُس وقت کی کیفیت کو نہیں عرض کر سکتا ہوں، ماوانیم و دل: مختصر اُس کا یہ ہے کہ مجھے اُس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے، اور میں خاص حضرت صلی اللہ

---

[١] فضل رحمانی ص ١٣٦-١٣٧ ۔ [٢] ایضاً ص ٨٣ ۔ [٣] ذکر رحمانی ص ١٢٠

علیہ وسلم سے پڑھ رہا ہوں، اُس وقت حضوری کی ایک، ایسی لذت تھی کہ الفاظ کا بالکل خیال ہی نہ ہوتا تھا، اور حضرتؒ کبھی کبھی مسکراتے تھے، اور کبھی آہ آہ فرماتے تھے، کبھی کوئی اشعار پڑھتے تھے، کبھی ہندی کے گیت ارشاد فرماتے تھے، کہ پھر حضرت نے فرمایا کہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ترجمہ کرو، میں نے عرض کیا، آپ نے فرمایا نہیں، حضرت محبوب ہیں، زبان عشق سے کہو، پھر آپ نے خود فرمایا کہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی پیار کرے اُن کو اللہ اور سلامت رکھے، اس جملہ سے مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی، اور میں نے نعرہ مارا، حضرت نے فرمایا کہ مولوی ہو کر اتنا چلاتے ہو۔[1]

حدیث کے انوار کو کوئی نہیں پاتا

مولانا شاہ سلیمان صاحب ہی راوی ہیں:- ایک بار میں کانپور سے حضرت کے حضور میں حاضر ہوا، مولوی احمد حسن صاحب مرحوم کانپوری اور مولوی شاہ سید تجمل حسین صاحب بھی ہمسفر تھے، اس دفعہ دو تین دن ٹھہرا، مگر حضرت کو استغراق میں پایا، ہر چند استفادہ کرنا چاہا، مگر پتہ نہیں لگتا تھا، دو ایک بات بھی حضرت نے نہیں فرمائی، ہاں موطا شریف کے درس میں کچھ مزے دار باتیں فرمادیا کرتے تھے، میں اس وقت مراقب تھا، حضرت احمد میاں صاحب نے فرمایا، بابا مولوی سلیمان صاحب موطا سننے کو نہیں آئے ہیں، یہ کچھ اور دیکھ رہے ہیں، حضرتؒ نے کچھ جواب نہیں دیا، بعد درس جب لوگ جانے لگے تب حضرت نے فرمایا کہ:- حدیث کے انوار کو کوئی نہیں پاتا، جس کا جی چاہے دیکھ لے۔[2]

حدیث انتقال کے وقت

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:- آپ نے علالت میں وصیت کی تھی کہ ہمارے مرنے کے وقت بھی حدیث پڑھی جاوے کہ روح ہماری حدیث سنتے سنتے نکل جائے، چنانچہ بعض آدمیوں نے حضور کی نزع کے وقت

۱؎ کمالات رحمانی ص ۲۹، ۳۰ . ۲؎ ایضاً ص ۳۱ .

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پڑھی تھی[1]۔

حدیث دم واپسیں تک

حکیم عظمت حسین صاحب دم رحلت تک برابر حدیث پڑھتے رہے، اور چونکہ قریب زمانۂ رحلت کے حضرت قبلہ قدس سرہ کو دست آنا شروع ہوگئے تھے، اسی حالت میں پائخانہ سے آکر کے آپ کو ضعف زیادہ ہوگیا تھا، اس وقت حکیم صاحب سے فرمایا، کہ لاؤ حدیث پڑھو، اگر پڑھتے پڑھتے جان نکل جائے تو بہتر ہے۔ سہ

غیرت از چشم برم روی تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم
گر بیاید ملک الموت کہ جانم بہ برد
تا نہ بینم رخ تو روح رمیدن ندہم

بعدازاں پھر صحت ہوگئی، پھر چند روز کے بعد علیل ہوئے مطابق اسی حکم کے جب آخر وقت مولانا صاحب کا پہونچا، تو حکیم صاحب حالت بیہوشی میں بھی حدیث سناتے رہے، اور قریب وقت رحلت تک (یہ سلسلہ جاری رہا) اور سورۂ یٰسین بھی پڑھتے تھے[2]۔

---

[1] فضل رحمانی ص۲۳۲

[2] 〃 〃 (جلد ثانی) ص۴۱۳، ۴۲۰

بذل وعطا

زہد و توکل کا طبعی و لازمی نتیجہ بذل و عطا اور جود و سخا ہے، جس صاحب یقین پر دنیا اور دولت دنیا کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے، اور قل متاع الدنیا قلیل کا استحضار ہو جاتا ہے وہ بخل کے ہر شائبہ سے پاک ہو جاتا ہے، جس کو اشرفیاں شکیاں اور ٹھیکریاں نظر آنے لگتی ہیں، اور مال کی محبت دل کے ہر گوشہ سے نکل جاتی ہے اس کا ہاتھ کون روک سکتا ہے، مولانا کا یہی حال تھا، کہ ان کا محبوب مشغلہ مال و دولت، تحائف و ہدایا کی تقسیم اور جو کچھ آئے اس کا جلد سے جلد بانٹ دینا تھا، مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:- ایک مرتبہ نواب خورشید جاہ حیدرآبادی نے ہزار روپیہ کا نوٹ نذر کیا، ایک بنیا خادم خانقاہ دیر سے عرض کر رہا تھا کہ لڑکی کی شادی کے لئے چھ سو روپیہ چاہیے، نوٹ اسی کے حوالہ ہوا کہ چھ سو روپیہ لے کر چار سو یہاں دے جا، وہ بھی بنیے کو جو صبح شام آٹا دال پہونچاتا تھا اس کو دے دیا، مہینہ میں ہزار بارہ سو روپیہ نذر آتا تھا، اور سب کھانا کھلانے اور دینے لینے میں خرچ ہو جاتا تھا۔[1]

نفع عام اور خدمت خلق کا جذبہ

مولوی صاحب فرماتے ہیں، ایک مرتبہ ہم نے عرض کیا، کہ:- آگ کی دھونی پر لوگ آپ پر اعتراض کرتے ہیں کہ حقہ والوں کی مدد کرتے ہیں، اور یہ مکروہ ہے، اور علاوہ اس کے تمام رات دن آگ جلانی ایک قسم کا اسراف بیجا ہے۔ ارشاد ہوا، کہ:- یہ آگ جو تمام رات دن جلا کرتی ہے

---

[1] فضل رحمانی ص٤٦۔

www.abulhasanalinadwi.org

حقہ والوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس لئے ہے کہ ہمارے گاؤں کے غریب آدمیوں کو آگ نہیں ملتی ہے، اس لئے یہ آگ روشن رہتی ہے، اور اکثر نمازی پانی گرم کر کے غسل بھی کرتے ہیں[1]۔

تحائف اور کتابوں کی تقسیم

آپ کے پاس تحفے اور ہر ملک سے صدہا قسم کی چیزیں از قسم ملبوس یا غیر ملبوس آتی تھیں، مگر سب تقسیم ہو جاتی تھیں،

ایک مرتبہ فقیر کے سامنے ایک ٹوکرہ مرادآبادی برتن کا آیا، آپ نے بعد مغرب سب نمازیوں کو برتن تقسیم کر دیئے، دو ایک برتن نواسہ کھڑے ہوئے تھے اُن کو دے دیئے کہ صاحبزادی کو دے آؤ، اور ایک گلاس اپنے لئے رکھ لیا، اُس کو بھی کسی مسافر کو شب میں دے دیا[2]۔

ہمیشہ قرآن شریف یا اور کتابیں اہل مطبع بھیجا کرتے تھے، دیہات کے لوگ جو جمعہ پڑھنے کو آیا کرتے تھے اُن سے استفسار فرمایا کرتے تھے کہ تمہارا لڑکا کیا پڑھتا ہے جس نے کہا قرآن شریف پڑھتا ہے اُس کو آپ دے دیا کرتے تھے، شام تک کچھ کتاب وغیرہ باقی نہیں رہا کرتی تھی، اسی طرح آم کے زمانہ میں ٹوکروں آم آتے تھے، اور شیرینی بکثرت آتی تھی، اہل مسجد اور بستی کے لوگوں میں تقسیم ہو جاتی تھی[3]۔

ایک مرتبہ جناب شاہ غلام رسول صاحب قدس سرہٗ کانپوری والد جناب مولوی شاہ عبد الحق صاحب کانپوری آپ کے پاس بہ نظر ملاقات تشریف لے گئے، تو کسی نے ایک عبا پر تکلف بیش قیمت آپ کو نذر کی، اور ایک جلد قرآن شریف مطلّا اٹھارہ سو روپیہ کی بھی نذر کی، حضرت قبلہؒ نے شاہ غلام رسول صاحب کو دے دیا، اور فرمایا کہ آپ تکلف کا کپڑا پہنتے ہیں اس کو آپ ہی پہنئے، اور قرآن شریف بھی انھیں بزرگ کو دے دیا، شاہ صاحب موصوف بھی اس سخاوت کو دیکھ کر حیران ہو گئے

---

[1] فضل رحمانی ص ۵۹-۵۸ [2] ایضاً ص ۵۹ [3] ایضاً ص ۶۰

اور فرمایا کہ بس توکل اس کو کہتے ہیں، کپڑے صدہا قسم کے آپ کی خدمت میں آتے تھے، لٹھا، ململ، شال، دوشالہ، کمخواب، سب طرح کی نذریں گذرتی تھیں، مگر آپ سب تقسیم کر دیتے تھے، خود دو تین آنہ گز کا کپڑا از قسم لٹھا وغیرہ کا انگرکھا پہنتے تھے[1]

وزیر اودھ کا نذرانہ اور اس کی تقسیم

ایک بار وزیر لکھنؤ پر عتاب شاہی ہوا، وہ ازبس متفکر تھے، سیف الدولہ مرحوم کہ حضرت قبلہؒ سے عقیدت رکھتے تھے، انھوں نے وزیر صاحب سے کہا کہ اب کوئی چارۂ کار نہیں، ان دنوں حضرتؒ لکھنؤ میں آئے ہوئے ہیں اُن سے اگر التجا کیجئے تو یہ کام ہو جائے، خانا نخہ کلام وہ حضرت قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرضِ مطلب کیا، حضرتؒ نے بشارت فرمائی، بادشاہ نے وزیر صاحب کو بلا کر اعزاز بخشا، وزیر صاحب دو ہزار روپیہ نذرانہ لائے، حضرتؒ نے فرمایا۔ روپیہ ہم کیا کریں گے، تم اس روپیہ کے قرآن شریف چھپوا دو، پھر آپ لکھنؤ سے چلے گئے، اور ایک برس کے بعد پھر لکھنؤ آنے کا اتفاق ہوا، وہاں قرآن شریف چھپے ہوئے تیار تھے، وزیر صاحب کو خبر ہوئی، ایک اونٹ پر تمام جلدیں قرآن کی لدوا کر اور مزید انبساط ایک گھوڑا مع ساز و یراق ساتھ لے کر آئے اور نذر کیا، حضرت بہت خوش ہوئے، اور وہاں سے سندیلہ کی طرف روانہ ہوئے، اور سندیلہ تک سارے قرآن شریف بانٹتے آئے، بلکہ اونٹ بھی دے دیا، اور محتاجوں کو گھوڑے کا ساز و یراق تک تقسیم کر دیا، اور آخر میں گھوڑا بھی کسی کو عطا فرما دیا[2]

حق ہمسائگی

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں :۔ آپ کا یہ بھی شغل تھا کہ بنظر سخاوت اکثر غریب عورتیں اپنے کھیت سے مٹی بقدر ایک بڑی رکابی کے کلوخ کے لئے لایا کرتی تھیں، آپ ایک پائی میں خرید اکرتے تھے، اور ڈھیلہ یعنی گو ٹھو موٹے موٹے لنبائی میں ایک

---

[1] فضل رحمانی ص۶   [2] ایضاً ص۱۶۳

ہاتھ کے قریب تمام دن اس کی خریداری ہوتی تھی، فقیر نے عرض کیا کہ ایک بار گاڑی پر منگا لیجئے کیونکہ ایک بڑی رکابی کے بقدر لاتی ہیں، اور ایک پائی آپ دیتے ہیں، اسی طرح گونٹھ کی قیمت بھی آپ بہت دیتے تھے، آپ نے سکوت فرمایا، اشارۃً معلوم ہوا کہ پرورش اُن کی منظور ہے اور حق ہمسایہ اُدا کرنا مدنظر ہے[۱]

اُپلہ کی خریداری کے بارے میں عرض کیا کہ یہ عادت جوگیوں کی دیکھی ہے، یا آتش پرستوں کی، کہ تمام دن آگ جلایا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ :- غریب محلہ کے لوگ آگ لے جاتے ہیں، اور اس کیساتھ ایک اُپلہ بھی لے جاتے ہیں[۲]

شرفا و غربا کی مدد کا طریقہ راقم سطور نے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی مرحوم سے خود سنا کہ ایک بار سر شام کسی نے پانچ سو روپیہ نذر کئے، اُسی وقت اعلان فرما دیا کہ ہمارے حجرہ کی دیوار گری جارہی ہے اس کی مرمت کی ضرورت ہے، اہل قصبہ اس ادا سے واقف تھے، بہت سے شرفا اور غربا ٹوکریاں اور پھاوڑے وغیرہ لیکر حاضر ہوگئے، اور کسی نے دیوار کو ہاتھ لگایا کسی نے کچھ کیا، آپ نے کسی کو کچھ دیا، کسی کو کچھ، سونے سے پہلے پہلے ساری رقم تقسیم فرما کر فارغ ہوگئے، کسی صاحب نے عرض کیا کہ آخر ایسی کیا عجلت تھی؟ فرمایا:- واہ! ہماری دیوار گری جارہی تھی، تم باتیں بناتے ہو۔

---

[۱] کمالات رحمانی مع ملفوظات جدیدہ ص۳۶

[۲] " " " " " ص۳۶

زہد و توکّل

محبت و یقین کا طبعی خاصہ زہد و توکّل ہے، جو جتنا بڑا صاحبِ محبت اور صاحبِ یقین ہے اتنا ہی بڑا زاہد و متوکّل ہے۔ ؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

مولاناؒ کے زہد و توکّل کے واقعات اولیائے متقدمین اور سلفِ صالحین کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

روپیہ کی قدر

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:- آپ کا توکّل محض اللہ پر تھا، اگرچہ آخر زمانہ میں جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم مغفور نے سو روپیہ مہینہ بھی ریاست سے کرا دیا تھا، مگر کبھی آپ نے اُس سے اپنا کام نہیں چلایا، بلکہ ایک مرتبہ نواب صاحب مرحوم مغفور نے کہلا بھیجا کہ سو روپیہ مہینہ آپ کے پاس ریاست سے جاتا ہے، آپ کو ملتا ہے یا نہیں؟ آپ نے نہایت بے توجہی سے فرمایا کہ: میں نہیں جانتا کہ کیسا سو روپیہ آتا ہے، مجھے تو کبھی ملا نہیں۔ اور حقیقت اُس کی یہ تھی کہ چونکہ آپ کے نزدیک روپیہ کی قدر ٹھیکری کے برابر بھی نہ تھی، لہٰذا اس کی طرف التفات نہ تھا، اس لئے لڑکے گھر کے منی آرڈر لے کر اپنے صرف میں لاتے تھے[1]۔

روزمرہ کے خرچ کا قاعدہ

روزمرہ کے خرچ کا یہ قاعدہ تھا کہ بنیا مقرر تھا، آپ کو اُدھار دیا کرتا تھا، جب آپ کو فتوحات آتے تھے، تب اُس کا ادا کر دیا جاتا تھا، اُس کے سوا کوئی بھی کھاتا نہ تھا، بس پانچ بنے دو کا نہ دار مقرر تھے جن کو نقد روپیہ بھی

---

[1] فضل رحمانی ص ۵۵ و ۵۶

وہی قرض دیتے تھے، مگر بغیر سود کے آپ کو قرض دیتے تھے، آپ کو روپیہ قرض لینے کی اُس وقت ضرورت ہوتی تھی، کہ عرب یا پنجابی یا ولایتی یا اسی ہندوستان کے آدمی آتے تھے اُور خرچ اُن کے پاس نہیں ہوتا تھا تو حضور دس پانچ روپئے دے کر رخصت کرتے تھے، ہزار ہا روپیہ ماہوار کا خرچ تھا، بعض مہینہ کچھ زائد بھی ہوتا تھا، اُرباب ملّاوان کا خرچ اُور بڑی صاحبزادی صاحبہ کا خرچ بھی یہیں سے تھا، قرض لے کر بنیے سے کام کرنے میں حضرت قبلہؒ کی یہ مصلحت تھی کہ اگر مال مشکوک بھی مسلمان میرے پاس بھیجیں گے تو بنیے کا فر سے تبادلہ ہو جا دے گا، تب موافق اس قول کے پاک ہو گیا یعنی تبدل ید سے تبدل ملک کا ہو گیا، آپ نے یہ روش دہلی کی خانقاہوں سے سیکھی تھی، حضرت قبلہؒ ایک گھنٹہ بھی روپیہ نہیں رکھتے تھے، جب کسی نے نذر کیا، فوراً بنیے کو بلا کر دیدیتے تھے، آپ کے ذاتی مال میں سے لوٹا، ایک دو گھڑے، ایک چارپائی، دو جوڑے کپڑے، اس کے سوا کچھ نہیں تھا[1]۔

فقیر کی دولت ایک مرتبہ الہ آباد سے ہائی کورٹ کا افسر اس تحقیق کے لئے آیا تھا کہ آپ کے پاس مجمع ہر ملک کے لوگوں کا اِس قدر کیوں رہتا ہے کیونکہ اسی زمانہ میں حیدرآباد سے نواب خورشید جاہ حضرتؒ کے پاس آئے تھے، آپ نے فرمایا کہ توبہ کے لئے لوگ آتے ہیں، ہم اُن کے گواہ ہو جاتے ہیں، تم بھی شرک سے توبہ کرو، ہم گواہ ہو جائیں گے۔ پھر وہ انگریز بہت خوش ہوا، اُور کہا، کہ:۔ آپ کے خرچ خانقاہ کے لئے اگر فرمائیے، تو ملکہ کے پاس لکھوں؟ آپ نے فرمایا، کہ:۔ کیا ضرورت ہے ہمارے پاس خدا کے فضل سے دو جوڑے کپڑے اُور دو لوٹے مٹی کے، اُور دو گھڑے موجود ہیں۔ مجھے کیا ضرورت ہے۔ وہ انگریز رخصت ہو گیا[2]۔

---

[1] فضل رحمانی ص ۵۵-۵۸ [2] ایضاً ص ۵۲

اسی طرح ایک بار کوئی حاکم آیا ہوا تھا، اُس نے حضرتؒ کی اخلاقی تقریر سے خوش ہو کر کہا، کہ اگر آپ فرمائیں تو آپ کی خانقاہ کے لئے گورنمنٹ سے کچھ مقرر کرادیں۔ آپ نے فرمایا، کہ:۔ میں تمھاری گورنمنٹ کا روپیہ لے کر کیا کروں گا، خدا کے فضل سے ایک رسی کی بنی ہوئی چارپائی، اور دو لوٹے مٹی کے، اور دو گھڑے مٹی کے موجود ہیں، اور بعض مرید ہمارے باجرہ لے آتے ہیں، اس کی روٹی ہو جاتی ہے، بی بی صاحبہ کچھ ساگ یا دال پکا دیتی ہیں اُس سے لگا کر کھا لیتے ہیں[1]۔

حاتم دگراں و گدائے خویشتن

مولوی محمد یحییٰ صاحب لکھنوی نے فرمایا کہ جب آپ لکھنؤ میں تشریف لائے تو مطبع مصطفائی میں ٹھہرے، ہم بھی حدیث پڑھنے کو جاتے تھے، آپ کے مکان سے بنجارہ آیا، ہم نے خبر دی کہ حضرت وطن سے آدمی آیا ہے اُس سے خیریت دریافت کی جائے، آپ نے فرمایا، کہ:۔ ہاں! بلاؤ کہاں ہے۔ وہ حاضر کیا گیا، آپ نے اُس سے پوچھا، کہ:۔ کہو وطن میں کوئی مرا تو نہیں۔ اُس نے کہا کہ نہیں صاحب کوئی مرا نہیں ہے، پھر وہ جب جانے لگا تو اُس نے میر صائب علی صاحب سے کہا کہ گھر میں خرچ مانگا تھا، میر صائب علی صاحب نے کہا کہ: حضرت! عورتوں نے کچھ خرچ مانگا ہے، آپ نے فرمایا، کہ:۔ خدا کی پناہ! سولہ سیر باجرہ اور سولہ سیر جوار ہم دے کر آئے، یہ سب کھا گئیں، غضب خدا کا، جنگ تبوک میں صحابہؓ کو ایک خرما روز دیا جاتا تھا، اُسی پر قناعت کرتے تھے۔ المختصر اپنے گھر والوں کو کچھ نہیں دیا، باوجودیکہ شرف الدولہ نے کئی ہزار روپیہ آپ کو دیا تھا، وہ روز تقسیم ہوتے تھے، اُس میں سے ڈیڑھ سو پچ بھی گیا تھا، مگر اُس کو بھی لینے دینے کے لئے رکھا تھا کہ کوئی مستحق آجاوے گا تب کام آوے گا، پہلے روز جو روپیہ آیا، تو آپ نے عبد الرحمٰن خاں صاحب

---

[1] کمالات رحمانی صلہ۔

پوچھا کہ:۔ بخاری شریف تمھارے پاس کے جلد ہے؟۔ انھوں نے کہا: بیس جلد۔ فرمایا:۔ قیمت کیا ہے؟ کہا: تیس روپیہ۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ ہم نے لے لیا۔ پھر پوچھا کہ:۔ مسلم شریف وغیرہ کس قدر ہے؟ غرض جتنی کتابیں حدیث فقہ کی تھیں سب خرید لیں، اور پھر تقسیم کرتے تھے، آخر بنجارہ کو میر صائب علی صاحب نے اپنے پاس سے تین روپیہ نکال کر دیئے، اور اس کو رخصت کیا۔[1]

کیمیا اور دستِ غیب سے بیزاری

مولوی حکیم انوار الحق صاحب نے بیان کیا، کہ ایک روز حضرت قبلہ سے عرض کیا گیا، کہ:۔ فلاں فلاں بزرگ کو شوقِ کیمیا ہے، دعا فرمائیے کہ اُن کو حاصل ہو جائے؟۔ آپ نے فرمایا:۔ اللہ کرے اُن کو نہ آئے اور بھائی جس دل میں شوقِ کیمیا ہے نسبتِ الٰہی ہرگز قرار پذیر نہیں ہو سکتی ہے۔ بعد اس کے مولوی صاحب موصوف سے راوی نے دستِ غیب کے باب میں دریافت کیا، کہ:۔ اُس کے باب میں کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ یہ اُس سے بھی بدتر ہے، کیونکہ کسی نبی، فقیر، درویش کامل نے ایسے امور کی تمنا نہیں کی۔ ؎

صد تمنا در دلت اے بوالفضول — کے بود نورِ خدا در دل نزول
بند بگسل باش آزاد اے پسر — چند خواہی بند سیم و بند زر[2]

لاکھ روپیہ پر خاک

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:۔ مولوی محب اللہ خاں صاحب مرحوم نے بیان فرمایا کہ:۔ ہم سے نواب کلب علی خاں والی ریاست رامپور بے تکلفی رکھتے تھے، اور بہت محبت کرتے تھے، ایک دن نواب صاحب نے ہم سے اپنا خیال ظاہر کیا کہ ہم کو بہت تمنا ہے کہ مولانا مولوی فضل رحمٰن محدث اس رامپور میں ہمارے یہاں تشریف لاویں، تو خوب ہو، کیونکہ سب اہل علم ہر فن کے مجتمع ہیں، مگر وہی ایک صاحب یہاں نہیں ہیں کہ جو شاہ عبدالعزیز

---

[1] فضل رحمانی (جلد دوم) ص ۴۳، ۴۵ [2] ایضاً ص ۹، ۱۰، ۵ / ۲

صاحبؒ کے صحبت یافتہ ہیں، اس پر مولوی صاحب موصوف نے نواب صاحب موصوف سے کہا، کہ اگر اُن کو ہم لادیں تو کیا آپ اُن کے لئے نذر کریں گے؟۔ نواب صاحب نے کہا، کہ :۔ لاکھ روپیہ مولوی صاحبؒ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ چنانچہ مولوی محب اللہ خاں صاحب کہتے تھے کہ ہم مرادآباد پہونچے، اور مولانا سے ملے، سب قسم کی باتیں توحید وغیرہ کی ہونے لگیں، پھر ہم نے عرض کیا، کہ :۔ رامپور تشریف لے چلئے، نواب کلب علی خاں آپ کے بہت مشتاق ہیں، اور لاکھ روپیہ نذر کریں گے، آپ جس طرح سے بات کررہے تھے اسی طرح کرتے رہے، اور اس حکایت کو معمولی بات کی طرح ٹال دیا، اور فرمایا، کہ :۔ میاں! لاکھ روپیہ پر خاک ڈالو، اور بات سنو۔ ؎

جو ہم دل پہ اُس کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جامِ جم دیکھتے ہیں

اور پھر وہی سب عشق وغیرہ کی کہانی کرتے رہے[1]

اہلِ حکومت و وجاہت کی بے وقعتی

جس اللہ کے بندے پر اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی منکشف ہوجاتی ہے، اور اہلِ دنیا اور ان کے مال و دولت سے وہ اپنی اُمید منقطع کرلیتا ہے، اور بے طمع ہوجاتا ہے، اس کی نگاہ میں اہلِ حکومت اور اہلِ ثروت کی عظمت اور اس کے دل پر ان کا رعب نہیں رہتا، اور بعض اوقات بڑے بڑے اہلِ جاہ اور اربابِ حکومت اس کو مور و مگس کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔

ابتدائے عہدِ انگریزی میں حاکمِ ضلع (کلکٹر) کی بھی جو حیثیت اور رعب و داب تھا، اس کو بھی لوگ بھولے نہ ہوں گے، گورنر اور لفٹنٹ گورنر کی تو شان ہی اور تھی، لیکن اہلِ حقیقت اور اہلِ بصیرت کے

---

[1] فضل رحمانی (جلد ثانی) ص ۱۲۶ و ۱۲۸

یہاں ان خارجی واضافی چیزوں (عہدوں اور حیثیتوں) کی کوئی اہمیت نہ تھی، اور وہ ان سے معمولی انسان کا سا سلوک کرتے تھے، مولاناؒ کی خدمت میں دو مرتبہ صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کا لفٹنٹ گورنر حاضر ہوا، اور مولاناؒ اس سے بے تکلفی بلکہ درویشانہ ملے، ایک حاضری کا حال مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں :۔

"ایک دفعہ لفٹنٹ گورنر نے مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ سے ملنے کی اجازت چاہی، آپ نے لوگوں سے فرمایا، کہ :۔ میں تو ایک فقیر آدمی ہوں، ان کے بیٹھنے کا کیا انتظام ہوگا، اچھا ایک کرسی منگا لینا، لفٹنٹ گورنر کی طرف سے تاریخ اور وقت بھی مقرر ہو گیا، اور آپ لوگوں سے یہ کہہ کر بھول بھی گئے، یہاں تک کہ لفٹنٹ گورنر مع چند حکام کے آموجود ہوئے، سب کھڑے تھے، ایک میم بھی کھڑی تھی، مولاناؒ نے ایک اُلٹے گھڑے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، کہ :۔ بی تو اس پر بیٹھ جا[1] لفٹنٹ گورنر نے کچھ تبرک مانگا، آپ نے ایک خادم سے فرمایا کہ بھائی! دیکھو میری ہنڈیا میں کچھ ہو تو ان کو دیدو، اس میں کچھ چورا مٹھائی کا نکلا، بس سب کو تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا، سب نے ادب اور خوشی سے قبول کیا، اور تھوڑی دیر بیٹھ کر اجازت چاہی، اور رخصت ہو گئے، چلتے وقت نصیحت کی درخواست کی، فرمایا، کہ :۔ ظلم مت کرنا"[2]

---

[1] فضائل رحمانی میں ہے کہ تو نیچے ایک پیڑھی کی طرف اشارہ کیا جو پاس پڑی ہوئی تھی۔

[2] ارواح ثلاثہ ص ۲۳۶-۲۳۷ ۔

فیض و تاثیر

باوجود اس سادگی و بے تکلفی کے جو مولانا کی زندگی میں نمایاں تھی، آپ کی صحبت میں اتنی کیفیت آپ کی نسبتِ باطنی میں قوت اور کلام میں ایسی دل آویزی تھی، کہ بجلی کی طرح اثر کرتا تھا، اور حسبِ استعداد مدت تک اس کا اثر رہتا تھا، یہاں اس فیض و تاثیر کے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں:۔

گریۂ محبت مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:۔ ایک مرتبہ فقیر رخصت ہونے کو حجرہ میں گیا، تو میری زبان سے یہ شعر نکل آیا۔ ؎

نہ ہو دیدار میسر تو نہ ہو　　درِ جاناں کی زیارت ہی سہی
نہ ہو قسمت میں مے ساغر ہے　　ترے میخانہ کی خدمت ہی سہی

آپ اُس وقت اذکار و اشغال میں مشغول تھے، آپ نے سر اُٹھایا، کچھ آیت پڑھ کر سینہ پر دم کر دیا اور یہ شعر فرمایا:۔ ؎

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تُست　　تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

اور فرمایا، کہ اب جاؤ، مجھ کو دو کوس تک غلبۂ محبتِ الٰہی میں گریہ تھمتا نہیں تھا، اور بیخودی ازحد طاری تھی۔[1]

کلام کی تاثیر حضرت قبلہؒ کے یہاں ظاہری شغل میں جس سے فیض مریدوں کو دیتے تھے، یہ کتابیں تھیں:۔ اوّل قرآن، بعدہٗ حدیث، بعد اس کے اشعار بزرگان مثل مثنوی وغیرہ پھر یہ احاطۂ تقریر میں نہیں آسکتا ہے، کہ جب آپ نے کوئی مضمون فرمایا گو معمولی بات ہو مثلاً

---

[1] فضل رحمانی ص۴۰ و ۴۱

بیع شراء سے متعلق عبارات فقہیہ، ہر چیز کے انوار طالب پر جو سامنے ہوتا طاری ہوتے تھے، چونکہ وہ نسبت برقی کے طور پر ہوتے تھے طالب ناقص میں نہیں ٹھہرتے تھے، مگر عقول بالغہ کو ہر کلام کے انوار جو مراتب و مقامات سے حاصل ہوتے تھے ان کو اسی سے حاصل تھے [1]

اسمائے حسنیٰ کا بیان

مولوی محمد احسن و مولوی محمد حنیف صاحب بہاری نے فرمایا، کہ:- ایک بار ہم لوگ مرادآباد حاضر ہوئے، اُس وقت بڑا مجمع اہلِ علم کا آپ کے پاس تھا، تقریر علمی مختلف طور پر ہو رہی تھی، اُس میں سے اسمائے باری تعالیٰ کو آپ بڑے جوش و خروش سے بیان فرما رہے تھے جس سے سامعین پر بڑی ہیبت چھا رہی تھی اور ہر شخص کو ایسا لطف آ رہا تھا کہ گویا آج ہی ہم مسلمان ہوئے ہیں [2]۔

غیر مسلموں کا قبولِ اسلام

محمد خاں صاحب آپ کے ایک خادم کہتے تھے، کہ:- جب حضرتؒ بنارس تشریف لے گئے تو وہاں باوجودیکہ آپ پوشیدہ اُس شہر میں داخل ہوئے، اور ایک مکان میں ٹھہر گئے، مگر وہاں ہنود کی بڑی کثرت ہو گئی، ہر چند کہ منع کئے گئے مگر بعضوں نے نہ مانا، اور مسلمان ہو گئے [3]

دُولار کا تھپّڑ

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:- ایک مرتبہ حضرت قبلہؒ کے پاس مرشدآباد کے ایک نواب کہ حضرت سے شاید بیعت کی تھی، اور بعد عرصہ کے بصورت نصرانی یعنی ٹوپ انگریزی اور داڑھی گھوٹائے مرادآباد حاضر ہوئے، حضرتؒ کے پاس جو گئے، تو آپ نے اخلاق سے بٹھایا، باتیں کیں، پھر آپ نے بطور دُولار کے ایک تھپڑ اُن کے رخسارہ پر مار کر یہ فرمایا، کہ:- قیامت کے روز اس طرح سے طمانچہ لگے گا، اس مارنے کی یہ تاثیر ہوئی کہ تمام دن اُن کو روتے ہوئے

---

[1] فضل رحمانی ص ۹۷/۱ - [2] ایضاً ص ۷۱۵/۲ - [3] ایضاً ص ۱۲۱/۲ -

گذرا، اور یہ کانپور کے جج ہو کر آئے تھے، غالباً ڈھائی ہزار تنخواہ ہوگی، استعفا دینے کو تیار ہوئے، مگر صاحبزادہ نے فہمائش کر کے روکا۔[1]

لسانی توجہ

آرہ کے ایک اسکول کے ماسٹر صاحب آپ کی خدمت میں بعزم بیعت پہونچے، مگر وہ پریشان تھے کہ کہیں انگریزی پڑھانے کا سوال نہ ہو جائے، آخر آپ نے پوچھا کہ میاں! کیا کرتے ہو؟ — انھوں نے مجبور ہو کر کہا، کہ انگریزی پڑھاتا ہوں، ماسٹر صاحب کے ہوش جاتے رہے کہ دیکھئے کیا فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا، کہ: — انگریزی پڑھاتے ہو تو بیجا کیا ہے، ہاں فرنگیوں نے جمنا کا کیا حال لکھا ہے، کیونکہ سنا ہے کہ جمنا اور دریا کا پانی ملتا ہوا چلتا ہے، اس کا پانی نیلا ہے، اور دریا کا پانی سفید ہے، اس قدرت الٰہی کو بیان کرو۔ ماسٹر صاحب نے پھر اچھی طرح بیان کیا، اور دریا وغیرہ کا حال بیان کیا، قرآن شریف میں ہے: — مَرَجَ البحرین یلتقیان بَینَهُمَا بَرْزَخٌ لا یبغیان، ماسٹر صاحب سے بات ہوتے ہوتے فیض آنا شروع ہوا، اسی کو لسانی توجہ کہتے ہیں، ماسٹر صاحب پر بہت کیفیت و بیخودی طاری ہوئی، بعد اس کے بیعت خاص کی اور تمام تعلیمات مراقبہ وغیرہ اُن کو کی، پھر وطن میں آ کر یاد الٰہی میں مصروف رہے۔[2]

ایک شعر باعث توبہ و اصلاح

مولوی تجمل حسین صاحب ہی راوی ہیں، کہ: — ایک شیعہ صاحب شہر پورنیہ کے رئیس حکیم صاحب کر کے مشہور تھے، حضرت قبلہؒ کی خدمت میں تشریف لائے، وہاں کے بعض خوانین نے شور مچایا کہ ایک رافضی مسجد میں گھسا آتا ہے، حضرت قبلہؒ نے اُن کو کہا کہ تم ہمارے حجرہ میں ٹھہرو، اور فرمایا، کہ: — یہ حضرت مرتضیٰ علیؓ کے مہمان ہیں، بہت گفتگو کے بعد ان شیعہ صاحب نے فرمایا، کہ آپ سے اعتقاد تو ہوا، مگر ہم مرید نہیں ہوں گے،

---

[1] فضل رحمانی (جلد ثانی) ص ۱۵۹ و ۱۶۰ — [2] کمالات رحمانی ص ۱۳ و ۱۴

اُور مذہب اپنا نہیں چھوڑیں گے، آپ نے فرمایا کہ:۔ مذہب چھوڑنے کا کیا کام ہے، حضرت مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھو، اُور بی بی فاطمہؓ اُور امام حسین علیہ السّلام سے محبّت رکھو، مگر ایک شعر پر عمل رکھو، اُور وہ شعر یہ ہے۔ ؎

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے اُوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر، تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

جب وہ اپنے وطن گئے، تو شب و روز پھرتے چلتے یہی شعر پڑھتے تھے، اُور کوئی دوسرا شغل نہ تھا مگر اثر صحبت کا اُور رنگ اسلام کا آگیا تھا۔[۱]

اَب سنئے کہ وہ تو شب و روز وہ اشعار زبان پر تھے، کہ:۔ نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر الیٰ آخرہ، مجلس محرم، یا کسی اُور مجلس کے دن آگئے، کہ ایک گروہ امامیوں کا پہونچا اُور کہا کہ بغیر آپ کے مجلس سُناٹی ہے، تشریف لے چلئے، اُور کہا کہ آج دن تبرّا کا ہے، بس یہ کہنا تھا کہ وہ بگڑے، اُور یہ شعر پڑھا، اُور حکم دیا کہ ان بدمعاشوں کو پکڑو اُور مارو، کہ کہاں ہم، کہاں حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر، اُور کہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور کہاں حضرت عثمان غنیؓ، رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد، اُن کو گالیاں دینا شروع کیا، اُور کہا کہ جاؤ آج کے روز سے ہم سنّت والجماعت کے مذہب میں داخل ہو گئے، چنانچہ ہم سیر کرتے ہوئے اُن کے مکان پر پہونچے، معلوم ہوا کہ ابھی ایک سال ہوا انتقال ہو گیا ہے۔[۲]

ایک شعر کا اثر

مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواریؒ لکھتے ہیں، کہ:۔ لکھنؤ میں مولوی عبدالاحد صاحب الہ آبادی، مولوی عبدالحی صاحبؒ کے شاگردوں میں بہت جیدالاستعداد ایک عالم تھے، میں بھی اُن سے ملّا حسن پڑھتا تھا، انھوں نے ایک دن اولیاء اللہ کے تذکرہ میں کہا کہ

۱؎ کمالات رحمانی ص۱۶۵، ۱۶۶ ۔ ۲؎ ایضاً ص۱۶۶، ۱۶۷

مولانا فضل رحمٰن صاحبؒ کچھ دن ہوئے یہاں آئے ہوئے تھے، مولوی علی حیدر خاں صاحب اُن سے مرید ہوئے، اُن کے سر میں بہت دنوں سے درد تھا، جو کسی صورت سے جاتا نہ تھا، بیعت کے بعد حضرتؒ کی زبانِ مبارک سے انھوں نے یہ شعر سنا:۔ ؎

بادِ نسیم آج یہ کیوں مشکبار ہے
شاید ہوا کے رُخ پہ کھُلی زلفِ یار ہے

یہ شعر سننے کے بعد اور بیعت کی برکت سے درد زائل ہوگیا، اور مولوی صاحب آٹھ دن تک بیعت کے بعد گریہ وزاری میں مصروف رہے[1]

بیسواؤں کی توبہ

حضرت نے فرمایا، کہ:۔ میں ایک قصبہ میں جاتا تھا کسبیوں کے سامنے سے گزرا سب نے کھڑے ہوکر سلام کیا، میں نے جھڑک دیا، خدا کی شان تھوڑی دُور گیا تھا کہ وہ سب آکر میری مرید ہوگئیں، اُس کے بعد سب نے نکاح بھی کر لئے[2]

صحبت و توجہ کی تاثیر

مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروئی اپنے سفر کے حالات کے ضمن میں فرماتے ہیں:۔ سنہ ۱۳۰۳ھ میں لکھنؤ آیا، اُس زمانہ میں مجھے شغل درود کی ایک عجیب لذت تھی، جمالِ مبارک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہر دم میری آنکھوں کے سامنے رہتا تھا، وہ بات لکھنؤ میں زائل ہوگئی، مجھے سخت انقباض ہوا، بالآخر مولوی فتح محمد صاحب تائبؔ اور دیگر احباب کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا، مراد آباد پہونچا، اور حضرت کی مسجد میں قدم رکھا، وہ انقباض انبساط سے بدل گیا، پہلے مجھے کھانا کھلایا گیا، اُس کے بعد میری حاضری کی خبر حضرتؒ کو کی گئی، حضرتؒ نے

---

[1] افادات سلیمانی مندرجہ مجموعہ رسائل تصوف ص۲۹۶۔

[2] اسرار محبت " " " " ص۵۶۔

فی الفور بُلا بھیجا، میں حاضر ہو کر اَدب سے بیٹھنا چاہتا تھا، آپ نے فرمایا، کہ بخاری لاکر انھیں دو، میں نے پڑھنا شروع کیا، اس وقت کی کیفیت کو عرض نہیں کرسکتا ہوں، مادا نیم و دل، مختصر اُس کا یہ ہے کہ مجھے اُس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے اُور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان میں کوئی واسطہ نہیں، اُور میں خاص حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھ رہا ہوں، اُس وقت حضوری کی ایک ایسی لذت تھی، کہ الفاظ کا بالکل خیال ہی نہیں ہوتا تھا، اور حضرت کبھی کبھی مسکراتے تھے، اُور کبھی آہ آہ فرماتے تھے، کبھی کوئی اشعار پڑھتے تھے، کبھی کوئی ہندی کا گیت ارشاد فرماتے تھے، پھر حضرتؒ نے فرمایا، کہ:- صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ترجمہ کرو، میں نے عرض کیا، آپ نے فرمایا:- نہیں! حضرت محبوب ہیں، زبانِ عشق سے کہو، پھر آپ نے خود فرمایا کہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی پیار کرے ان کو اللہ، اُور سلامت رکھے، اس جملے سے مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی، اُور میں نے نعرہ کیا، حضرتؒ نے فرمایا، کہ مولوی ہو کر اتنا چلّاتے ہو، ڈیڑھ ورق میں نے بخاری شریف پڑھی تھی، اُس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ بس کرو، پھر آپ نے فرمایا کہ میری طرف متوجہ ہو جاؤ، میں متوجہ ہوگیا، پھر آپ نے فرمایا،- کہو کیسا رنگ ہے! میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے کچھ درک نہیں ہوا، آپ نے فرمایا:- پھر متوجہ ہو جاؤ- اس بار بھی مجھے رنگ نہ آیا، پھر آپنے فرمایا کہ مجھے سلطان جی (حضرت نظام الدین اولیاؒ) سے عشق ہے، یہ کہہ کر آپ متوجہ ہو گئے اُس وقت مجھے ایسا درک ہوا کہ اک آگ کا شعلہ حضرتؒ کے قلب سے نکل کر میرے قلب میں سما گیا، اُور میرے ہر رگ و ریشہ میں اُس کی حرقت محسوس ہونے لگی، اُور بیتاب ہو کر میں نے ہائے کا نعرہ لگایا، اُور تخت سے نیچے گر پڑا، حضرتؒ اپنی چارپائی سے اُٹھے، اُور میرا شانہ پکڑ کر اُٹھایا، اُور فرمایا:- اتنا کیوں چلّاتے ہو؟[1]

---

[1] افاداتِ سلیمانی ص ۲۶۹ تا ۲۷۰۔

کمالِ علمی

باطنی مشغولیت، استغراق اور توجہ الی اللہ کے باوجود مولانا کا علمی ذوق اور استحضار قائم تھا، حدیث وفقہ پر گہری نظر تھی، بعض مرتبہ ایسی غلطیوں پر تنبیہ فرماتے اور ایسی جزئیات بیان کرتے کہ اکابر اہل علم ودرس کو تعجب ہوتا۔ چند واقعات درج کئے جاتے ہیں:۔

نماز قصر کا ایک مسئلہ مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں:۔ آپ نے عند الملاقات مولانا عبدالحئی صاحب سے پوچھا۔ بھلا تم تو بڑے فقیہ ہو، ہدایہ کا حاشیہ تم نے خوب لکھا، یہ تو بتاؤ کہ تم نے راستہ میں نماز مسافرت کی موافق مذہب حنفیہ کے کیوں نہیں پڑھی، یعنی قصر کیوں نہیں کیا؟ مولانا عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہم آٹھ نو آدمیوں کے سامنے اس حکایت کو لکھنؤ میں بیان کیا تھا، اس میں کئی رئیس مونگیر شل شاہ احمد سعید، اور شاہ محمد وغیرہ بھی تھے، مولانا عبدالحئی صاحب فرماتے تھے کہ یہ سب کشف فقط سنت پر عمل کرنے سے حاصل تھا، المختصر مولانا عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا نوراللہ مرقدہ کو اس مسئلہ کا یہ جواب دیا کہ میں لکھنؤ سے سندیلہ کی نیت سے چلا تھا، وہاں آکر عزم ہوا کہ آپ کی زیارت حاصل کریں، یہ دو سفر ہو گئے، تین منزل نہیں ہوئے، آپ نے اس پر ارشاد فرمایا، کہ:۔ بھائی! تم بڑے محقق ہو، مگر تحقیق مسئلہ یوں ہی ہے کہ فقہاء نے اسی کو ترجیح دی ہے، کہ جب دو سفر کو جمع کیا جائے اُس پر حکم تین منزل کا ہوگا، اُن دونوں سفروں کو سفر واحد سمجھا جاوے گا۔ مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ واقعی میں نے جو کتابوں کو دیکھا تو ترجیح اسی مسئلہ کو تھی۔[1]

---

[1] فضل رحمانی صفحہ ۱۴۳ و ۱۴۵

کتابوں کے اغلاط کی تصحیح

جناب مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف چھاپ کر بہت عمدہ خوشخط ایک جلد آپ کے لئے تحفہ لائے، چونکہ آپ کی عادت شریف تھی کہ جو کتاب مطبع سے لوگ نذر لاتے تھے اس کے آپ چند ورق ادھر ادھر کے الٹ کر غلطی بتا دیتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے پہلے دیکھ رکھا ہو، غرض اس بخاری شریف میں کئی جگہ ورق بے انداز الٹ دیئے، اور فرمایا کہ یہ غلطی ہے اور وہ غلطی ہے، استاذی حضرت مولانا احمد علی صاحب بہت متعجب ہوئے کہ میں آٹھ برس سے اس کتاب کو درست کر رہا ہوں، غلطیاں نظر نہیں آتی تھیں، آخر پھر غور کر کے کئی ورق کا غلط نامہ بخاری شریف میں چھاپ کر لگایا گیا۔[۱]

احادیث پر عبور

اسی طرح مولانا سعادت حسین صاحب مدرس کلکتہ مولوی ابراہیم صاحب وغیرہ کے استاد) جب مراد آباد تشریف لے گئے، اُن کے ساتھ مولوی اکرم صاحب محدث بھی ہمراہ تھے، تو حضرت قبلہؒ اس وقت چادر اوڑھ رہے تھے، آپ نے پوچھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھتے وقت کون دعا پڑھتے تھے؟۔ کئی علماء تھے مگر کسی کو یاد نہیں تھا، ان عالموں نے کہا کہ اس وقت یاد نہیں۔ آپ نے فرمایا، کہ: مجھے ساٹھ برس ہوئے، کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی تھی، بعد اس کے آپ نے ڈیڑھ ورق کے قریب کئی حدیث مع راویوں کے سلسلہ وار بیان کر کے دعا چادر اوڑھنے کی پڑھی، سب لوگ حیران ہوئے، مولوی سعادت حسین صاحب نے اپنے مجمع میں بیان کیا کہ اس قدر ادعیہ اور معمولات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو یاد نہیں ہیں، بیشک مولانا فضل رحمٰن صاحب قبلہ کو بہت حفظ ہے، فقط محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات حاصل ہے۔[۲]

---

[۱] فضل رحمانی ص ۴۲ — [۲] ایضاً ص ۴۳-۴۴

اختلافِ قراءات پر نظر بعض اہل علم سے قرأ سبعہ کے اختلاف قرأۃ لفظی کو پوچھتے تھے، بعض وقت مجھ سے بھی سوال فرماتے تھے کہ اس لفظ کو قرآن کے کس کس طرح پڑھنا آیا ہے، مثلاً: "مالک یوم الدین" یا "ملک یوم الدین" غرضکہ علم قرآن، اختلافِ قرأۃ، اور ترجمۂ لفظ زبانِ ہندی وغیرہ سلیس اُردو میں اور عجائب عجائب نکتہ قرآن شریف کا بیان آپ پر ختم تھا۔[1]

تفسیر و نکات قرآن مولوی فخرالدین صاحب سے معلوم ہوا کہ مولوی عبدالحق صاحب دہلوی مصنف "تفسیرِ حقانی" جب مرید ہونے گئے، تو آپ نے پوچھا کہاں سے آتے ہو، اور کیا کام کرتے ہو؟ کہا کہ میں تفسیر لکھتا ہوں، آپ خوش ہوئے، اور حسب عادت آپ نے پوچھا، کہ: "ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا۔ انفسنا" میں کون سا وقف ہے؟ کیونکہ اگر وقف نہ ہو تو واو متصلہ ہو جاوے گا؟ پھر خود ہی فرمایا، کہ:- اس میں واو توقیفی ہے، پھر ترجمہ قرآن شریف ہونے لگا، یعنی طلبہ پڑھنے لگے، حد کا بیان آگیا، مولوی عبدالحق صاحب نے عرض کیا کہ ہر جگہ شہادت میں دو گواہ ہیں، اور زنا میں چار گواہ کیوں ہیں؟- ارشاد ہوا، کہ:- زنا میں دو دو ہیں زانی، اور زانیہ اس لئے چار گواہ ہیں- اس پر جناب مولوی عبدالحق صاحب بہت خوش ہوئے۔[2]

---

[1] فضل رحمانی صفحہ ۴۲۰۔

[2] ؍؍ ؍؍ جلد دوم صفحہ ۲۲۔

قرآن و حدیث کے الفاظ کے ہندی ترجمے

مولانا کو اللہ تعالیٰ نے بڑا بلند اور پاکیزہ ادبی ذوق عطا فرمایا تھا۔ اس کا کچھ اندازہ ان اشعار سے ہوتا ہے جو آپ کبھی کیفیت اور ذوق میں اکثر پڑھتے تھے، اور جن میں سے بہت سے اوپر گزر گئے ہیں، یہاں کچھ مثالیں آپ کے اردو اور ہندی ترجمہ کی پیش کی جاتی ہیں جن سے عربی اور ہندی دونوں زبانوں کے صحیح ذوق اور ایک زبان کے مفہوم اور محاورہ کو دوسری زبان میں ادا کرنے کی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے، اس کا ذوق وہی لوگ لے سکتے ہیں، جو دونوں زبانوں کے ادا شناس اور لذت آشنا ہوں۔

ایک حدیث کا ترجمہ ایک مرتبہ جناب مولانا لطف اللہ صاحب کانپور میں ملاقات کو حضرت مولانا صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے پاس تشریف لائے، آپ عبدالرحمٰن خاں کے حلقے میں ٹھہرے ہوئے تھے، مسلم شریف دیکھ رہے تھے، ایک حدیث پڑھی، کہ "یَضْرِبُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِهَا" ترجمہ اس کا فرمایا، کہ:۔ مارے مارے پھرتے تھے پورب پچھم۔[1]

نسبت کا ترجمہ ہم نے معنی نسبت کے پوچھے، ارشاد ہوا:۔
"نسبت کے معنی لگاؤ ہیں"۔[2]

درود کا ترجمہ درود کا ترجمہ فرمایا:۔
"اللہ صاحب کا دولار اور پیار محمد صاحب پر"۔[3]

تجلی کا ترجمہ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ کا ترجمہ فرمایا: "جب ان کا نور اجیالا ہوا"۔[4] ایک مرتبہ "تجلی" کا ترجمہ کیا: "کچھ دیکھا کچھ نہیں دیکھا"۔

۱؎ فضل رحمانی ص ۱۳۶۔ ۲؎ ایضاً ص ۱۳۷۔ ۳؎ ایضاً ص ۱۳۰۔ ۴؎ ایضاً ص ۱۳۸۔

بدیع کا ترجمہ

حکیم صاحب (عظمت حسین صاحب) نے کہا، کہ مولانا عبدالحی صاحب تشریف لائے تھے، کہ آپ نے اُن کے سامنے اِس آیت کا ترجمہ فرمایا: "بدیع السمٰوات والارض" انوکھے بنانے والے زمین وآسمان کے، مولانا موصوف بہت خوش ہوئے۔[1]

نفی اثبات کا ترجمہ

نواب نورالحسن خاں مرحوم لکھتے ہیں، کہ آپ نے "نفی اثبات" کا ترجمہ "توڑ جوڑ" فرمایا۔[2]

زینۃ الحیٰوۃ

نواب صاحب لکھتے ہیں:- ایک صاحب نے حضرتؒ سے یہ ترجمہ نقل فرمایا:- "المال والبنون زینۃ الحیٰوۃ الدنیا۔ دھن اور پوت سنگار ہے جیتے جی کا"۔[3]

ترجمۂ قرآن کے کچھ نمونے

مولانا نے اپنے زمانہ کی بے تکلف ہندی بھاشا میں قرآن مجید کی کچھ سورتوں اور حصّوں کا ترجمہ فرمایا تھا، جو ایک بار گلشن ابراہیمی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا تھا، اور اب نایاب ہے، یہ ترجمہ مولانا کی قرآن فہمی، ادبی ذوق، اور لطافتِ طبع کا نمونہ ہے، یہاں اس کے کچھ نمونے پیش کئے جاتے ہیں:-

وسع کرسیہ السمٰوات والارض	اسکی راج چوکی میں سارے اکاس اور دھرتی سمائے ہیں۔
ولا یؤدہ حفظہما	اور ان کی چوکسی اس کو تھکاتی نہیں۔
لا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ	نہ رکھ ہم پر وہ کہ جس کا ہم کو بوتا نہیں۔
وآتیناہ الحکم صبیاً	اور ہم نے اس کو بچپن میں سوجھ بوجھ دی۔
وبرًّا بوالدیہ	اور اپنی ماتا پتا کا سپوت پوت تھا۔

---

[1] فضل رحمانی (جلد ثانی) ص [illegible]۔ [2] گنجینۂ فقر مجموعۂ رسائل تصوف ص۴۳۔

[3] وادیٔ الفت، از نواب نورالحسن خاں مرحوم، شامل مجموعۂ رسائل تصوف ص۱۸۱

وکنت نسیا منسیا	اور بھولی بسری ہو جاتی۔
والسلام علیّ یوم ولدت	اور مجھ پر جس دن جنم لیا سکھ چین ہے۔
فاختلف الاحزاب من بینهم	پیچھے کر لوگوں کے جتھے آپس میں اینچا کھینچی میں پڑے۔
قال سلام علیك	(ابراہیمؑ نے کہا) اچھا پتا جی تو سکھی رہ۔
لا یسمعون فیها لغوا	وہاں وہ بک بک جھک جھک نہیں سنیں گے۔
اطّلع الغیب	کیا اس نے ان دیکھا جھانک لیا ہے۔
لا یملکون الشفاعة	کوئی کسی کے لئے کہنے سننے کی سکت نہیں رکھے گا۔
هل تحس منهم من احد او تسمع لهم رکزا	کیا تو ان میں سے کسی کی آہٹ پاتا یا ان کی بھنک سنتا ہے۔
یسئله من فی السمٰوات والارض	سارا سنسار اسی کے دوارے کا بھکاری ہے۔
اذ ذهب مغاضبا	جب وہ جھنجھلا کر چلے۔
ذلك یوم التغابن	یہی ہار جیت کا دن ہے۔
الذی بیده الملك	جس کے ہاتھ میں راج پاٹ ہے۔
فکیف کان نکیر	پھر کیسی میری مار پڑی ہے۔
نحن خلقناهم وشددنا اسرهم	میں نے ہی تو ان کو گڑھا ہے، اور ان کے پکے جوڑ جوڑے ہیں۔
انا صببنا الماء صبا	ہم نے جھما جھم برکھا برسائی۔
ثم شققنا الارض شقا	پھر تڑاتڑ دھرتی پھاڑی۔
ووجوه یومئذ علیها غبرة ترهقها قترة۔	اور کتنی تھوتھڑیاں اس دن دھول بھری ہیں، اور ان پر کلونس چڑھی ہوئی ہے۔

علالت اُور وفات

مرض وفات کے حالات وواقعات صاحبزادہ احمد میاں صاحبؒ کی کتاب "تواریخ نامہ"[1] اُور مولوی محمد عبدالغفار صاحب آسیونی کی کتاب "ہدیۂ عشاق فضل رحمانی" سے ماخوذ ہیں جس میں ربیع الاوّل کی دوسری تاریخ سے (جس روز حضرت مولاناؒ کی طبیعت مبارک ناساز ہوئی) ۲۲ر ربیع الاوّل (جس روز حضرت مولانا کی وفات ہوئی) تک کے حالات وواقعات تاریخ وار بطور روزنامچہ کے درج ہیں، مصنّف وفات سے دس ماہ پیشتر سے حضرت مولانا کی خدمت میں حدیث شریف کا درس لیتے تھے، ہر وقت کے حاضر باش اُور علاج کے مشیر خاص تھے، اس تفصیل سے آپ کی بے نظیر استقامت، اتباعِ سنّت اُور ذوق ومحبّت ومحویت ظاہر ہوتی ہے، اور اکابر اولیائے متقدمین کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

علالت کی ابتدا حضرت کی بیماری زکام اُور بخار سے انتقال سے بیس روز پیشتر شروع ہوئی، اس درمیان میں آپ کو کسی روز صحت بھی ہو جاتی تھی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی طرح بیمار نہیں، اگرچہ ابتدا میں خفیف حرارت کے ساتھ کچھ آمد زکام کی سی معلوم ہوتی تھی، لیکن بظاہر اس کا اثر کچھ نہ تھا، صرف پیاس کی شدّت تھی، دن بھر میں خلاف معمول کئی مرتبہ پانی نوش فرماتے تھے، ۷ ربیع الاوّل سے آواز کی گرفتگی میں زیادتی ہونے لگی،

---

[1] اس کتاب میں علالت ووفات کے مختصر حالات اُور مراثی اُور قطعاتِ تاریخ ہیں، یہ کتاب ۱۳۱۳ھ میں مرتب ہوئی، اُور اصح المطابع محمود نگر لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ ۱۲

جب بلغم نکلتا، تو آپ فرماتے کہ دیکھو یہ بلا پیٹ سے نکلتی ہے، اور ضعف ونقاہت کو بھی روزانہ ترقی تھی، کہ غذا بہت کم ہوگئی تھی۔

اتباعِ سنّت کا اہتمام اور درسِ حدیث

اگر بایں ہمہ ضعف وناتوانی اور کبھی کبھی ملس میں حرارت ہو جانے کے باوجود اتباعِ سنّت اور پابندئ شریعت کا وہی اہتمام تھا، اور ہمیشہ اوّل وقت پر تازہ وضو کر کے نماز ادا فرماتے، اور بڑے ذوق وشوق سے حدیث شریف کا درس دیتے[1]

حدیث شریف کا آخری سبق

۷ ربیع الاوّل کو نمازِ عصر ادا فرمانے کے بعد فرمایا، کہ :- کتاب لاؤ، حکیم عظمت حسین صاحب نے سبق شروع کیا، تھوڑا سا پڑھا تھا، کہ مولوی عبدالغفار صاحب کتاب صحیح مسلم لے کر حاضر ہوئے، حکیم صاحب نے کتاب بند کر دی، اور مولوی عبدالغفار صاحب نے پڑھنا شروع کیا، قریب تیرہ صفحہ کے پڑھا، سبق ختم ہونے کے بعد یہ کلمات فرمائے :- جاؤ کتاب مسجد میں بند کر کے رکھ آؤ" یہ سبق آخری تھا، جو آپ نے بیٹھ کر درس کے طور پر پڑھایا، اس لفظ (بند کر کے) پر کسی کو لحاظ نہ ہوا کہ آج سے آپ سبق بند فرماتے ہیں[2]۔

ایک نعتیہ شعر اور کیفیت

۸ ربیع الاوّل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ فضائل بیان کر کے آپ نے اس شعر کو دو مرتبہ پڑھا :- ؎

سر سبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو ✤ ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

اس وقت حاضرین کی عجیب کیفیت تھی کہ دلگدازی سے سب پر ایک حالتِ رقت طاری تھی[3]۔

---

[1] تواریخ نامہ ص۳۲ ۔ [2] ہدیۂ عشاق ص۱۰ ۔ [3] تواریخ نامہ ص۳۲ ۔

ایک شعر پر رقّت

بعد اس کے آپ نے یہ شعر پڑھا:۔ ؎

بندۂ عیب دار کس نخرد
باہزاراں گنہ خرید مرا

آپ روئے، اور عجیب کیف کی حالت تھی، کہ بیان میں نہیں آتی۔[1]

صلحائے امّت کا مرتبہ

اسی حالت کیف میں فرمایا، کہ:۔ امتیان محمدیؐ میں سے بہت ایسے لوگ ہیں کہ حوریں ان کی مشتاق ہیں، جب وہ جنّت میں بلا حساب کتاب جائیں گے تو حوریں اُن کے دیکھنے کو دوڑیں گی، اور وہ محوِ تجلیات کبریائی ہوں گے، دوزخ کی طرف سے ہو کر گزریں گے تو دوزخ اُن سے پناہ مانگے گی، اور انکے چہرے مثل ماہتاب کے درخشاں ہوں گے۔[2]

محویت و استغراق کی زیادتی

آج سے محویت کی کیفیت اور استغراق کی حالت بڑھتی جاتی تھی، کہ بسا اوقات آپ اپنے ہر وقت کے حاضر باش خادموں کو بھی نہیں پہچانتے تھے، آپ کے معمولات سے تھا، کہ بعد نماز ظہر عرائض سنا کرتے تھے، فرمایا، کہ:۔ آج بہت خطوط ہیں، آپ نے اُن پر دم کر دیا، اور فرمایا، کہ خدا سب کا کام پورا کر دے۔[3]

صبر کی فضیلت اور حضرت ابوبکرؓ کی منقبت

۹ ربیع الاوّل کو فرمایا، کہ:۔ اللہ پاک اپنے بندوں کو بہت پیار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں، جو اُن کے خاص بندے ہو جاتے ہیں تو اگر اُن کو کچھ تکلیف پہونچتی ہے، اور صبر

---

[1] تواریخ نامہ صفحہ ۔ [2] ہدیۂ عشاق صفحہ ۔ [3] تواریخ نامہ صفحہ ۔

کرتے ہیں، تو ملائکہ سے خطاب ہوتا ہے کہ دیکھو میرا بندہ کیسی مصیبت میں مبتلا ہے، اور شکر و صبر کرتا ہے، گواہ رہو کہ میں نے بخش دیا، بعدہٗ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کچھ احادیث پڑھیں، اور بہت رقت طاری رہی، اور جوش و خروش کی حالت ظاہر ہوئی۔[1]

مرشد کی یاد

بارھویں تاریخ تک ترقیٔ ضعف کی یہی کیفیت رہی، جو کوئی پوچھتا کہ حضور کا مزاج کیسا ہے، تو فرماتے الحمد للہ اچھا ہوں، صرف ضعف ہے، کبھی حضرت شاہ آفاق پیر و مرشد اور اولیاء اللہ کا ذکر فرماتے، اور کہتے :۔ ؎

اے شہ آفاق شیریں داستاں　　بازگو از بے نشاں من نشاں

صرف و نحو و منطقم را سوختی　　آتش عشق خدا افروختی[2]

اولیائے اُمّت کا درجہ

۱۳ ربیع الاوّل ۱۳۱۳ھ کو آپ نے مولوی وحید احمد صاحب سے ارشاد فرمایا، کہ :۔ میری چارپائی کے پاس بیٹھ جاؤ۔ اور حسب ذیل ارشادات فرمائے :۔ ؎

خدمت مرداں اگر یک ساعت است

بہتر از صد خدمت و صد طاعت است

سلف میں ایسے ایسے اولیاء اللہ گزرے ہیں کہ جو کلمہ گو کوئی دور سے اُن کی زیارت کر کے چلا گیا اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرمایا، اور اس کو بخش دیا، بعض ایسے گزرے ہیں کہ جس پر انھوں نے ایک نظر ڈال دی وہ ولی ہو گیا، بعض حاضرین نے عرض کیا، کہ :۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو بھی ایسا ہی کیا ہے، اس پر کوئی جواب نہ دیا۔[3]

---

[1] ہدیۂ عشاق ص۸۔ [2] تواریخ نامہ ص۵۔ [3] ہدیۂ عشاق ص۱۲۔

دُعائے تسہیل ۱۶ ربیع الاوّل سے آخر وقت تک یہ شعر آپ کے وردِ زبان تھا۔ ؎

فَسَھِّل یا الٰھی کلّ صعب
بحرمۃ سیّد الابرار سھّل[1]

مریدوں کو تلقین ۱۸ ربیع الاوّل کو قاضی نورالحسن صاحب ہاشمی ملّاداں سے بغرضِ عیادت حاضر ہوئے تھے، ذرا دیر کے بعد آپ نے داہنا ہاتھ دراز فرمایا کہ جیسے کسی سے مصافحہ کے واسطے بڑھاتے ہیں، اور اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ آتے ہیں کپڑے تو پہن لیں، اُن لوگوں سے فرمایا، جو مرید ہوئے تھے، کہو: ہم مرید ہوئے ہم حضرت شاہ آفاق صاحبؒ کے ہاتھ پر قادریہ خاندان میں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، فرض ہیں، دوالی، دسہرہ، بسنت کچھ نہ ماننا۔[2]

رضا بالقضاء ۱۹ ربیع الاوّل کو ۱۲ بجے پھر پیر سرد ہوئے، اور حرارت کا غلبہ ہوا، آپ حالتِ غشی میں نصف جسم سے اٹھ بیٹھتے تھے، اور فرماتے: میں کیا کروں؟۔ کوئی حاضرین میں سے عرض کر دیتا کہ حضور آرام فرمائیں، فوراً لیٹ جاتے، اور شعر ؎

فَسَھِّل یا الٰھی کلّ صعب
بحرمۃ سیّد الابرار سھّل

پڑھتے، بخلاف زمانہ گذشتہ کی بیماریوں کے کہ آپ ان بیماریوں میں آہ آہ بہت کرتے، لیکن اس مرتبہ اُف تک بھی نہ فرماتے، خاموش لیٹے رہتے، اور جو دوا صاحبزادہ صاحب پیش کرتے، فوراً اس کو نوش فرماتے، ذرا انکار نہ کرتے، سابق کی بیماریوں میں دوا سے انکار فرماتے تھے، مگر عام طور سے کسی کے ہاتھ سے دوا نہیں پیتے، صرف صاحبزادہ صاحب کو یہ شرف حاصل رہا۔[3]

---

[1] تواریخ نامہ ص۔ [2] ہدیۂ عشاق ص۱۹۔ [3] ایضاً ص۔

مناقب خلفاء اربعہؓ

ساڑھے چھ بجے سہ پہر کو حرارت بہت کم ہو گئی تھی، اُس وقت حضرت پیرانی صاحبہ نے حکیم صاحب کو بلایا، اور دریافت حال کیا، اگرچہ حکیم صاحب نے بہت کچھ تسکین دی، لیکن درجۂ اجابت تک نہ پہونچی، کہ اتنے میں حضور پُر نور نے یہ شعر بزبانِ فصیح پڑھا:۔ ؎

سرم خاک رہ ہر چار سرور
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

اس وقت حضور کو فی الجملہ تسکین تھی، اور اس شعر کے پڑھنے سے تمام حاضرین و نیز اندرونِ حویلی سب کو بہت تسکین ہوئی۔[1]

بشارات

بیسویں کو خواب استراحت سے دفعتاً اُٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ :۔ یہ بہشت یہ بہشت یہ بہشت یہ بہشت، اور چاروں سمت دستِ مبارک سے اشارہ کیا، اور فرمایا، کہ :۔ رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔[2]

فنائے کامل

اکیسویں کو دو بجے دن کو آپ نے فرمایا، کہ :۔ ہم مر گئے، ہمارے جنازے کی نماز پڑھ دو، اور اگر کوئی نہ پڑھے تو میں خود پڑھے لیتا ہوں، اور تمام مقتدی کھڑے ہیں اللہ اکبر فرما کر ہاتھ باندھ لئے، سب کو اس جملہ سے بہت تردد ہوا۔[3]

حدیث کا تقاضا

سوا دو بجے فرمایا، کہ :۔ اگر ہم کو کوئی حدیث سناتا تو بہتر تھا، کہ ہمارا دم حدیث شریف سنتے سنتے نکلتا۔[4]

۲۲ ربیع الاوّل بروز جمعہ ۳ بجے کہ حاضرین کا مجمع کثیر تھا، صاحبزادہ احمد میاں کو آنکھیں کھول کر بغور دیکھا، پھر ان کا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ سے دو تین منٹ تک خوب مضبوط پکڑے رہے، بعدہٗ

---

[1] ہدیۂ عشاق ص۲۱۔ [2] تواریخ نامہ ص۵۔
[3] ؍ ؍ ص۲۵۔ [4] ہدیۂ عشاق ص۲۵

چشمِ خدا بیں دوبارہ دیکھ کر ہاتھ چھوڑ دیا، اور آنکھیں بند کر لیں[1]۔

اہلِ تعلق کے لئے دُعا ساڑھے تین بجے دستِ مبارک اُٹھا کر نہایت خضوع سے دعا فرمائی کہ:۔ "اے اللہ پاک! آپ میرے جملہ مریدین و معتقدین دوست احباب اعزاء اقارب کو خوش و خرم کھاتا کھلاتا رکھئے گا، اور سب کا خاتمہ بخیر کیجئے گا، آمین آمین آمین[2]"

ذکرِ جلی سوا چار بجے سے تنفس شروع ہوا، اس سے یہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ آپ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ فرماتے ہیں، قبل اس کے کبھی آپ نے اس طرح کا ذکرِ جلی نہیں فرمایا، ہمیشہ ذکرِ خفی فرماتے تھے، کہ دیکھنے والوں کو معلوم نہیں ہوتا تھا[3]۔

محبین و زائرین کا ہجوم تین چار روز سے حاضرین کا وہ مجمع تھا کہ لوگ ہٹائے جاتے تھے، لیکن نہ ہٹتے تھے، ایک کے اوپر ایک گرے پڑتے تھے، ہر شخص کی یہ تمنا تھی کہ میں شریکِ خدمت ہوں، اور زیارت سے شرف یابی حاصل کروں، ان چار دنوں میں کئی مرتبہ مراد آباد میں مشہور ہوا کہ جناب مولانا صاحبؒ کا وصال ہو گیا، ہر شخص جہاں تھا وہیں سے دوڑا، اندر سے باہر تک ایک تلاطم برپا ہو جاتا تھا، اور جو اپنی جگہ سے ہٹا پھر اُس کو وہ جگہ نصیب نہ ہوتی تھی، اس لئے کہ جگہ کی قلت تھی اور آدمیوں کی کثرت، تمام حاضرین و مریدین اطراف سے اتفاقاً فتح پور ہسوہ کے آدمی زیادہ حاضر تھے[4]۔

---

[1] ہدیۂ عشاق ص ۲۶، ۲۷

[2] تواریخ نامہ ص۸ [3] ایضاً ص۸

[4] فتح پور ہسوہ میں حضرت مولاناؒ کے ذو خلفاء و مریدان با اختصاص موجود تھے، حضرت مولانا نور محمد پنجابی صدر مدرس مدرسۂ اسلامیہ، اور جناب مولانا سید ظہور الاسلام صاحب فتحپوری۔

حدیث کی تلاوت بالیں پر

سوا چار بجے سے تنفس میں فرق آگیا، اور اُمیدِ زیست منقطع ہوگئی چنانچہ حسبِ وصیت حکیم عظمت حسین صاحب نے کتاب چہل حدیث پڑھنا شروع کیا، اور راقم سے صاحبزادہ نے ارشاد فرمایا کہ تم بھی کتاب لاؤ، میں بھی کتاب صحیح مسلم شریف کہ جس کا ایک سبق پڑھا تھا لے آیا، صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ بالجہر پڑھو تاکہ سب لوگ سُنیں، لیکن حضور پُرنور کی وہ حالت دیکھ کر مجھ سے بالجہر نہ پڑھا گیا، صاحبزادہ صاحب نے مکرر فرمایا کہ بالجہر پڑھو تاکہ سب لوگ سُنیں، میں نے کتاب الایمان کا ایک صفحہ مشکل سے بالجہر پڑھا، اور ایک حدیث آخر کتاب کی پڑھ کر بند کردی۔[1]

وقتِ اخیر

تنفس بڑھتا گیا، اور اب بلغم حلق میں آکر اٹک گیا، اور تھوکنے کی قوت باقی نہ رہی، آپ اس حالت میں بار بار سرِ مُبارک اٹھانے کا ارادہ فرماتے تھے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی رُوحِ پُرفتوح تشریف لاتی ہے جس کی تعظیم کے واسطے سرِ مبارک کو جنبش دیتے ہیں، ہم کوربا طنوں کا اس میں حصّہ نہ تھا، غرضیکہ ہر شخص کچھ نہ کچھ پڑھنے لگا، کوئی یٰسین شریف، کوئی درود شریف، کوئی کلمہ، کوئی بالجہر، کوئی بالسر پڑھتا تھا، اگرچہ عام طور پر اس بات کا یقین نہ تھا کہ یہی آخری وقت حضرت صاحبؒ کا ہے، لیکن اس کرب کو ہر شخص دیکھ کر غمگین تھا، چنانچہ سوا پانچ بجے سے حکماء نے کل تدبیریں چھوڑ دیں، اور آبِ انارِ شیریں کیوڑہ ڈال کر دینا شروع کیا، کبھی حکیم عظمت حسین صاحب اور کبھی صاحبزادہ صاحب اور کبھی حکیم عبدالباسط صاحب اور کبھی راقم (عبدالغفار) چمچہ سے لے کر بسم اللہ کہہ کر حضور کے دہنِ مبارک میں ڈال دیتے، قاعدہ یہ تھا کہ جب بسم اللہ کہتے حضور دہنِ مبارک کھول دیتے اور آبِ انار ڈال دیا جاتا۔[2]

---

[1] ہدیۂ عشاق صفحہ ۲۶، ۲۸۔ [2] ایضاً صفحہ ۲۸۔

غایت اتباعِ سنّت سب کی رائے ہوئی کہ اَب تہ بند کھول لیا جائے اُور پائجامہ پہنا دیا جائے، چنانچہ صاحبزادہ صاحب و غلام قادر خاں صاحب والہ دیا صاحب نے پائجامہ پہنانا شروع کیا، غلام قادر خاں صاحب نے تہ بند جو شل پائجامہ کے بنا ہوا تھا، داہنے پیر سے گھبراہٹ میں اُتارنا چاہا، اُسی وقت پائے مبارک کھینچ لیا اُور بایاں پاؤں دراز کیا، سبحان اللہ! اس وقت بھی کس قدر اتباعِ شریعت محمدیہ کا خیال تھا۔[۱]

ساعتِ وداع نمازِ مغرب کے بعد حالت اُور زیادہ قریب الوصال ہو گئی، بعد نماز کے سب لوگ واپس آ گئے، اس وقت سب کی رائے ہوئی کہ چارپائی کا رُخ پھیر دینا چاہیے، لیکن اس طرح کہ سب پر ظاہر نہ ہو جائے، فوراً چارپائی شمالاً جنوباً کر دی گئی، اُور رُوئے مبارک قبلہ کی طرف کر دیا گیا، قریب سات بجے کے بالکل الوداعی سامان ظاہر ہو گئے، سوا چار بجے سے جو تنفس کی حالت تھی وہ ایسی تھی کہ گویا ذکر و شغل کی حالت میں کوئی اپنی سانس بڑھاتا ہے، اُور صاف مفہوم ہوتا تھا کہ حضور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ فرماتے ہیں، اس سے قبل کبھی کسی نے شاید ایسا ذکر جلی کرتے نہ دیکھا ہوگا، اس اخفاء سے آپ ذکر کرتے تھے کہ دیکھنے والے کو ہرگز معلوم نہ ہوتا تھا۔[۲]

سکینت و رحمت گرداگرد چارپائی کے جو لوگ موجود تھے، عجب سکون سب کے دل کو تھا، اگرچہ بہت بڑے بڑے جاں نثار حاضر تھے لیکن کسی پر گھبراہٹ اُور یاس کا عالم نہ تھا۔[۳]

وفات شام کے وقت ۲۲ تاریخ راقم کو شبہ تھا کہ شاید چاند نکلا ہے، اسی کی روشنی نیم کے درخت پر جو چھپر کے باہر ہے پڑ رہی ہے، افسوس اُس وقت خیال نہ آیا کہ یہ وقت

---

[۱] ہدیۂ عشاق ص ۲۸ ۔ [۲] ایضاً ص ۲۹، ۳۰ [۳] ایضاً ص ۳۰

نزولِ رحمتِ الٰہی اُور ورودِ برکت نامتناہی کا ہے، اُور یہ اُس کی تجلیات ہیں۔

بعد مغرب کے اِس قدر قوت لبِ مُبارک میں باقی نہ تھی کہ زیادہ جنبش کر سکتے، اُور نہ دہنِ مبارک وا ہو سکتا تھا کہ چمچہ سے کوئی چیز دہنِ مبارک میں ڈالی جاتی، یہاں تک کہ کپڑے کے پھایہ سے آبِ انار اُور کیوڑہ، یا کیوڑہ اُور پانی دیا جانے لگا، راقم (عبد الغفار) نے اِس خدمت کو مغرب کے آخر وقت تک انجام دیا، صاحبزادہ صاحب (احمد میاں صاحب) سرہانے بیٹھے ہوئے تھے، راقم بھی سرہانے بیٹھا تھا، اسی تنفس ذکری کی حالت میں (۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو) بعد مغرب آپ نے سانس اوپر کر لی، اُور رُوحِ پُرفتوح نے جسمِ خاکی کو چھوڑا، اُور عالمِ بالا کی طرف پرواز کی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[1]۔

آثارِ قبولیت و رحمت

اس وقت جسم اطہر سے اِس قدر خوشبو آتی تھی کہ جس کا کپڑا آپ کے جسم سے چھو گیا اس میں خوشبو آنے لگی، لوگ ایک دوسرے پر گرتے تھے، کسی کا دل قابو میں نہ تھا، سب لوگ روتے تھے، مگر سبحان اللہ! کہ آپ کو جیسی پابندی شرع کی بحالتِ حیات تھی ویسی ہی بعد ممات بھی رہی، کہ جو کوئی چلّا کر رویا معاً بیہوش ہو گیا کہ سر و پا کی خبر نہ رہی، جو لوگ خاموش تھے اُور آنکھوں سے آنسو جاری تھے وہ بھی ہوش میں نہ تھے، غرضکہ تمام ہندو مسلمان رونے میں مبتلا تھے، قیامت برپا تھی، عورتیں بھی سب حویلی سے آئیں، روتی ہوئی جب قریب پہونچیں آواز موقوف ہو گئی صرف آنسو جاری تھے، کوئی کلمہ کوئی درود پڑھنے لگا، جنازۂ اطہر پر نوحہ و بکا نہیں ہوا، اُور کیونکر ہوتا کہ ہمارے حضرتؒ نے کبھی بہ حالتِ حیات اِس بات کو جائز نہیں رکھا۔

---

[1] ہدیۂ عشاق افضل رحمانی ص ۲۷، ۳۰

تمام شب لوگ جنازے کے گرد حاضر رہے، خوشبوئے اگر وعود جلائی گئی، تمام شب میں اِس قدر لوگ جمع ہو گئے کہ مسجد میں اور باہر کہیں جگہ نہ رہی، اور انوار و تجلیات کا کیا ذکر کیا جائے کہ ایک نورانی چادر سب کو ڈھانکے ہوئے تھی، جو لوگ کہ نعش مبارک کے گرد بیٹھے تھے قرآن خوانی اور ذکر و شغل میں مشغول تھے، ہرگز اس مقام پر یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی موت ہوئی ہے کہ جیسے اور گھروں میں موت کے بعد دیکھا گیا ہے، بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے حضور روزانہ آرام فرماتے تھے، آج بھی اسی طرح آرام فرما رہے ہیں[1]

غسل و تکفین سب کی رائے ہوئی کہ اسی مقام پر جہاں کہ آپ تشریف فرما تھے کھود زمین کندہ کر کے غسل دیا جائے، ٹھیک سات بجے صبح کے غسل کے لئے آپ تعیں چوکیوں پر لائے گئے، اس وقت ایک عالم ٹوٹا پڑتا تھا، چادر مبارک جسم اطہر سے اٹھائی گئی، رومال کھول کے تہبند ڈالا گیا، چہرۂ مبارک درخشاں تھا، اور ہرگز تمیز نہیں ہو سکتی تھی کہ آپ کا وصال ہو گیا ہے، بحالت حیات رخسار مبارک پر بوجہ پیرانہ سالی و کبرسنی کے شکنیں آگئی تھیں، اور دانتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے رخسار مبارک اندر کو دب گئے تھے، بالکل صاف و ہموار معلوم ہوتے تھے، یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ آپ ضعیف العمر آدمی ہیں، اور روئے مبارک مثل گلاب کے تر و تازہ تھا، حسب قاعدہ سنت سنیہ غسل دیا گیا، بعد فراغت غسل کے لاشۂ اطہر کفنایا گیا، اس وقت حاضرین کو عجیب کیف تھا، بعد فراغت سب لوگ ہٹا دیئے گئے، عورتیں آئیں زیارت کر کے چلی گئیں، ایسا مجمع کثیر تھا کہ بہت لوگوں کو کندھا دینا کیسا چار پائی سے ہاتھ لگانا نہایت دشوار ہو گیا[2]

---

[1] ہدیۂ عشاق ص ۳۱، ۳۲

[2] " " ص ۳۳

نمازِ جنازہ وتدفین

بوقت تمام جنازۂ مبارک بیرونِ مسجد لایا گیا، اور دروازۂ مسجد کے چبوترہ پر رکھا گیا، حسب وصیت نمازِ جنازہ احمد میاں صاحب نے پڑھائی (اور تدفین عمل میں آئی) ساڑھے نو بجے پورے طور پر قبر درست ہوگئی، سب لوگ اس کارِ ضروری سے فارغ ہوگئے، بعد فراغت پھر تو عجیب ایک عالم پیدا ہوا، کوئی شخص اپنے آپ میں نہ تھا، اور ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی، مرزا صاحبان (مرزا عنایت علی بیگ صاحب وافضال علی بیگ صاحب ساکنانِ بھوپال) نے تین روز تک بہت سیر چشمی سے اہلِ تعزیت کی مہمانداری فرمائی، اور خیرات از قسم غلہ، کھانا اور نقد بھی مساکین کو تقسیم کیا۔[1]

خواصِ اہلِ تعلق کی آمد اور اُن کا تأثر

۲۴ ربیع الاوّل کو جناب مولانا محمد علی صاحب مونگیری، مولانا ظہور الاسلام صاحب لکھنؤ میں اس خبر کو سُن کر تشریف لائے، مولانا محمد علی صاحب جس وقت تشریف لائے اولاً مزار پر حاضر ہوئے، بعدہٗ مسجد میں تشریف لائے، کچھ ذکر حضرت کا حافظ قاری عبد الرحمٰن صاحب نے فرمایا، جناب مولوی محمد علی صاحب کو ایسا کیف ہوا کہ بہت دیر تک محض بیہوش رہے، پنکھا وغیرہ جھلا گیا بدیر ہوش میں آگئے۔

اسی طرح آج مولوی حبیب اللہ صاحب مدرس ٹانڈہ[2] آئے اور مقبرہ شریف میں بیہوش ہو کر گر گئے، بہت دیر کے بعد ہوش آیا، اور بہت ہی حالت زار رہی، حتیٰ کہ دوسرے روز واپس نہ گئے۔[3]

---

[1] ہدیۂ عشاق ص ۳۴، ۳۵

[2] والد ماجد مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔

[3] ہدیۂ عشاق ص ۳۶

قرض کی ادائی

۲۷ ربیع الآخر کو راجہ محمد ممتاز علی خاں صاحب بہادر والئ ریاست اترولہ تشریف لائے اور اعلان کر دیا کہ جس بقال کا جس قدر روپیہ حضرت مرحوم کے ذمہ ہو ہم ادا کر دیں گے، چنانچہ دس ہزار چار سو روپیہ یکمشت ادا کیا گیا، زر قرضہ ادا کرنے کے وقت بعض حضرات کی رائے ہوئی کہ حساب کتاب دیکھ کر دینا چاہئے، راجہ صاحب نے فرمایا کہ ہمارے حضرت حساب کتاب کر کے نہ لیتے تھے، نہ دیتے تھے، پس ہم بھی اس طرح نہ دیں گے، ہم روپیہ مزار شریف پر رکھے دیتے ہیں جس کا جتنا ہو اٹھا لے جائے، چنانچہ ویسا ہی ہوا، دامے درمے ایک ایک کوڑی تک باقی نہ رہی۔[1]

---

[1] ہدیۂ عشاق فضل رحمانی، از مولوی عبدالغفار صاحب آسیونی ص۲۲

گنج مرادآباد کی حاضری اور اسکے تاثرات

نگاہِ مرشد

از:- مولانا سید محمد علی مونگیریؒ (بانی ندوۃ العلماء)

اولاً میں حضرت قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہونے اور شرف بیعت حاصل کرنے کی مختصر کیفیت لکھتا ہوں، سترہ یا اٹھارہ برس کا میرا سن تھا کہ حضرت ہادیٔ طریقت رہنمائے شریعت مقبول بارگاہ لم یزلی مولانا شاہ کرامت علی قدس سرہٗ[1] کی قدمبوسی مجھے نصیب ہوئی، اور دس مہینے تک ملازمت کا شرف حاصل رہا، اور پھر آپ کو سفر آخرت پیش آیا، اور کالپی میں جاکر انتقال فرمایا، آپ کی برکت توجہ اور فیض صحبت سے عجیب و غریب حالات مجھ پر گذرے، اور حضور علیہ السلام کی عنایت اور بندہ نوازی ایسی ہوئی جس کی نسبت میں بجز اس کے اور کیا کہوں:- ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

آپ کے انتقال کے بعد مجھے دوسرے رہنما کی ضرورت ہوئی، حضرت قبلہؒ اُس زمانہ میں کانپور میں رونق افروز ہوا کرتے تھے، اور جناب محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب مالک مطبع نظامی کے مکان پر فروکش ہوتے تھے، یہ خاکسار سُن کر حاضر خدمت بابرکت ہوا، اُس وقت حضرتؒ دوست محمد عطر فروش کی

---

[1] یہ بزرگ قادری سلسلہ کے تھے، کم سنی میں ایران سے ہندوستان آگئے، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے پڑھا تھا، اور شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کے ساتھ کھیلے تھے، صاحب نسبت و کرامات بزرگ تھے، کالپی میں انتقال فرمایا۔۱۲

دوکان پر تشریف فرما تھے، جگہ تنگ ہونے کے باعث سے میں نعلینوں کے قریب بیٹھ گیا، آپ نے مکرر اپنے پاس بیٹھنے کو ارشاد فرمایا، میں بہ پاس ادب وہیں بیٹھا رہا، اتفاقاً میری حرکت سے لاٹھی گری، اور ایک شیشہ ٹوٹ گیا، حضرت نے فرمایا کہ بڑوں کے کہنا نہ ماننے سے ایسا ہی ہوتا ہے، پھر مجھے بغور دیکھ کر فرمایا، کہ :۔ فلاں بزرگ جو یہاں تھے تم اُن کے بیٹے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں اُن کا پوتا ہوں، اس صحبت میں زیادہ کچھ کلام کی نوبت نہ آئی، پھر میں خاں صاحب موصوف کے مکان پر حاضر ہوا، حضرت قبلہؒ نے دریافت فرمایا، کہ :۔ تم کس کی صحبت میں بیٹھے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جناب شاہ کرامت علی صاحب کی خدمت میں کچھ عرصہ تک حاضر ہوا ہوں، آپ نے حسب معمول سر جھکا لیا، اور تھوڑے تامل کے بعد فرمایا، کہ :۔ بڑے شخص تھے۔

ایک مرتبہ پھر حاضر ہوا، اس وقت آپ سورۂ رحمٰن کا ترجمہ ارشاد فرما رہے تھے، اور مولوی محب الغفر صاحب مرحوم پانی پتی اور مولوی حافظ عبدالغفار صاحب لکھنوی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے سُن رہے تھے، میں علیحدہ تخت پر بیٹھ گیا، اثر بیان سے میرے آنسو جاری ہو گئے، آپ نے میری طرف بھینی نظروں سے دیکھا، اور دونوں عالموں موصوفین سے فرمایا، کہ :۔ تم اسے جانتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ :۔ جی ہاں! طالب علم ہیں، مدرسۂ فیض عام میں پڑھتے ہیں۔ ارشاد ہوا، کہ :۔ تم نہیں جانتے اتنا فرما کر پھر ترجمہ فرمانے لگے، تھوڑے عرصہ کے بعد ان دونوں صاحبوں سے پھر یہی سوال کیا، انھوں نے عرض کیا کہ :۔ ہم تو یہی جانتے ہیں کہ ایک نیک بخت طالب علم ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا، کہ :۔ تم نہیں جانتے۔

ایک مرتبہ حضرت قبلہؒ بنارس تشریف لئے جاتے تھے، اور حسب دستور کانپور میں فروکش ہوئے مجھے اطلاع نہیں ہوئی، مگر ایک اضطراب پیدا ہوا، میں بے اختیار گھر ا ہو گیا، اور مضطربانہ ادھر ادھر پھرنے لگا، اتفاقاً راہ میں حافظ موسیٰ صاحب دوست محمد عطر فروش کی دوکان پر ملے، اور انھوں نے

حضرت قبلہؒ کے تشریف لانے کا حال بیان کیا۔ میں اُسی وقت مطبع نظامی گیا، جمعہ کا روز تھا، خاں صاحب مالک مطبع نظامی تنہا بیٹھے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا، کہ:- میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں، آپ بنظرِ عنایت اطلاع کر دیجئے، خاں صاحب کوٹھے پر جہاں آپ رونق افروز تھے گئے، اُور پھر آ کر کہا، کہ:- آج جمعہ ہے اِس وقت ملاقات نہ ہوگی، بعد نماز جمعہ آنا۔ میں افسردہ ہو کر لوٹ آیا اُور جمعہ کی نماز کرنیل محمد زماں خاں کی مسجد میں پڑھی، اس کے بعد خاں صاحب کے ہمراہ خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا، مگر پہلے سے کچھ لوگ وہاں پہونچ گئے تھے، اُور آپ انھیں کچھ کتابیں تقسیم فرما رہے تھے، تھوڑی دیر خاں صاحب اُور میں کھڑے رہے، جس وقت آپ نے نظر اُٹھا کر ہماری طرف دیکھا، اُسی وقت لوگوں سے فرمایا، کہ:- اَب جاؤ، انھیں بیٹھنے دو۔ بعض نے بیٹھے رہنے پر اصرار کیا، مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں اس وقت جاؤ۔ سب چلے گئے، میں اُور خاں صاحب بیٹھ گئے، مجھ سے دریافت فرمایا کہ:- تم کیا پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ قاضی مبارک۔ ارشاد ہوا استغفر اللہ نعوذ باللہ قاضی مبارک پڑھتے ہو، اس کا حاصل؟ ہم نے فرض کیا کہ تم منطق پڑھ کر قاضی مبارک کے مثل ہو گئے پھر کیا؟ قاضی مبارک کی قبر پر جا کر دیکھو کہ کیا حال ہے، اُور ایک بے علم کی قبر پر جاؤ جس کو خدا سے نسبت تھی، اس پر کیسے انوار و برکات ہیں۔ فیضانِ صحبت سے مجھے اُس وقت نیم بیخودی سی تھی، اس کے بعد کچھ خاں صاحب سے کلام کیا پھر ارشاد فرمایا، کہ:- کیا پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا، کہ:- "ھدایہ" کیونکہ میں اُن دنوں دونوں کتابیں پڑھتا تھا، اس پر بیع و شرا کے مسئلے دریافت فرمانے لگے، اُس وقت میری حالت ایسی متغیر تھی کہ جن مسائل کا میں بے تامل جواب دے سکتا تھا اُن کا جواب بھی بہت تامل سے دیا، اسی اثناء میں حضرت قبلہؒ نے عبدالرحمٰن خاں صاحب سے دریافت کیا، کہ:- تم نے صبح آ کر کہا تھا کہ ایک طالب علم ملنے کو آتے ہیں وہ کون تھے؟ خاں صاحب نے کہا، کہ:- جناب یہی تھے! ارشاد ہوا، کہ:- تم بڑے نادان ہو، مجھ سے آ کر کہا کہ ایک طالب علم آئے ہیں، بھلا میں کیا جانوں کون طالب علم ہے؟

یہ تو ہمارا لڑکا ہے۔ خاں صاحب نے جواب دیا کہ حضرت مجھے نہیں معلوم تھا۔ غرضکہ عصر کے وقت تک خاں صاحب اور میں صحبت سے فیض یاب رہے، اس وقت تک اگرچہ شرف بیعت مجھے حاصل نہ تھا مگر یہ عنایت مژدہ تھی حصولِ نیازمندی کا۔

اس کے بعد کانپور پھر حضرت قبلہؒ کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف نہیں ہوا، اور مجھے سلسلہ میں داخل ہونے کا شوق ہوا، اور میں مرادآباد شریف خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوا، یہ حاضری اگرچہ بہ قصد بیعت تھی، مگر مجھے یاد ہوتا ہے کہ دنیاوی غرض بھی اس کے ساتھ تھی، یعنی کسی خاص مقام میں نوکری کی غرض سے سفارش کرانا منظور تھا، الحمد للہ کہ وہاں جا کر یہ خیال ہی محو ہو گیا، اور سفارش کرانے کا ارادہ بالکل جاتا رہا، شام کو میں وہاں پہنچا تھا، اور گھوڑے پر گیا تھا، آپ نے گھاس پہلے ہی سے خرید کر رکھا تھا، صبح کو بعد نمازِ اشراق میں نے بیعت کے لئے عرض کیا، آپ نے قبول فرمایا اور داخل سلسلہ فرما کر بہت دیر تک توجہ دیتے رہے، بعد فراغ ارشاد ہوا کہ ہم نے بہت دور تک توجہ دیدی ہے، اس کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور خادم کو آواز دی، وہ حاضر ہوا، فرمایا کہ گھر میں سے ان کے لئے کچھ لے آؤ، وہ گیا اور آکر کہا کہ ابھی کچھ پکا نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ پکا کچا جو کچھ ہو لے آؤ، وہ گیا اور ڈلیا میں کچے چنے لے آیا، غالباً دو ڈھائی سیر ہوں گے، مجھ سے ارشاد ہوا کہ تمھارے پاس کوئی کپڑا ہے، میں نے رومال حاضر کیا، آپ نے تین لپیں ان چنوں میں سے بھر کر میرے رومال میں دیں اور ارشاد فرمایا کہ:- لو یہ تمھیں دنیا دیتے ہیں کھانے کے واسطے۔ یہ ارشاد آپ کا مسجد کے در میں تھا، جب آپ لب فرش پہونچے، تو خادم سے فرمایا کہ:- ان کے لئے پان لاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ:- حضرت! مجھے پان کی عادت نہیں، مگر میرے قول کی طرف توجہ نہیں فرمائی، اور مکرر خادم سے فرمایا کہ:- پان لاؤ۔ وہ پان لایا، آپ نے اُسے لے کر اپنے مُنھ مبارک میں لیا، اور کسی قدر اُسے چبا کر مجھے عنایت فرمایا، اور زبان فیض ترجمان سے یہ لفظ بھی ارشاد ہوئے کہ

لو یہ پان ہے **عرفان** کا، اسے کھا لو۔ یہ دونوں باتیں معمول کے خلاف تھیں، اس لئے ان دونوں ارشادوں کو مولانا رومؒ کے اس شعر کا مصداق کہنا کسی طرح بیجا نہیں ہے، یعنی ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود[1]

---

[1] ارشاد رحمانی و فضل یزدانی ص۹۳ تا ۹۶

جذبِ دل

از :- مولانا حکیم سید عبدالحیٔ سابق ناظم ندوۃ العلماء

مجھ کو حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا بچپن ہی سے اشتیاق تھا، مگر یہ خیال تھا کہ بعد فراغت تحصیل علم کے حاضر ہو کر استفادہ کروں گا، دفعتاً لکھنؤ میں جناب ممدوح کی خبر وفات مشہور ہوئی، اُس وقت اپنی محرومی پر جس قدر تاسف ہوا بیان نہیں ہو سکتا، اس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے، اس کو سنتے ہی میں نے مراد آباد کا عزم کر لیا، وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ اشتداد علالت کی وجہ سے آپ صاحب فراش ہیں، شب کو حاضری کا موقع نہیں ملا، دوسرے دن صبح کو میں حاضر ہوا، آپ پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے، اور مریدین و مسترشدین کا مجمع تھا، اُن میں مولوی سید ظہور الاسلام صاحب بھی تھے، میرے پہونچتے ہی انھوں نے تقریب کی، اور کہا کہ یہ مولانا سید عبدالسلام صاحب[1] کے بھانجے ہیں حضرتؒ نے میری طرف دونوں ہاتھ بڑھائے، میں نے دست مبارک میں اپنا ہاتھ دے دیا، اُس وقت آپ پر کیفیت طاری تھی، آپ نے اُس حالت میں جو فرمایا وہ اچھے طور پر سمجھ میں نہیں آیا، مگر یہ معلوم ہوا کہ آپ فرماتے ہیں کہ دعا درود نماز سے سب کھول جاتا ہے، اسی حالت میں چند اشعار پڑھے، اُن میں سے ایک شعر یہ تھا۔ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ✽ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

---

[1] مولانا سید عبدالسلام صاحبؒ اپنے عصر کے کبار مشائخ نقشبندیہ میں تھے، مولانا شاہ احمد سعید صاحب مجددی کے ممتاز ترین خلفاء میں تھے، قوت نسبت اور اتباع سنت میں نہایت ممتاز تھے، ۱۲۹۹ھ میں اپنے وطن ہسوہ ضلع فتحپور میں وفات پائی۔ ۱۲

تھوڑی دیر تک یہ کیفیت رہی، اس کے بعد آپ نے ہاتھ چھوڑ دیا، اور میں کچھ دیر وہاں رہ کر باہر آگیا۔

دوسری بار جب آستانہ بوسی کا اتفاق ہوا تو میرے ایک عزیز بھی میرے ہمراہ تھے، ہم دونوں لکھنؤ میں طالب العلمی کرتے تھے، ایک دن بیٹھے بیٹھے شوق پیدا ہوا، اور انھوں نے مرید ہونے کی تمنا ظاہر کی، اس ارادے سے ہم دونوں شب کو روانہ ہوئے، لکھنؤ کے اسٹیشن پر پہونچ کر معلوم ہوا کہ گاڑی کی روانگی میں دیر ہے، ہم دونوں سو رہے، اور ایسے سوئے کہ گاڑی آئی اور روانہ ہوگئی، ۳ بجے شب کو معلوم ہوا کہ گاڑی روانہ ہوگئی، مگر ایک دوسری ٹرین روانہ ہونے والی ہے جو کچھونے کے اسٹیشن پر نہیں ٹھہرتی، ہنگولے میں ٹھہرے گی، پہلے کچھ پس و پیش ہوا، پھر شوق اور جذب نے اجازت نہیں دی کہ ایک دن اور ٹھہرا جائے، ہنگولے کا ٹکٹ لے کر روانہ ہوگئے، وہاں پہونچ کر صبح کی نماز پڑھی، اور دریافت کیا کہ کوئی سواری ملتی ہے یا نہیں، معلوم ہوا کہ نہ سواری ملتی ہے نہ مراد آباد جانے کا راستہ ہے، بحث پرس و جو کے بعد معلوم ہوا کہ مراد آباد یہاں سے ۱۷، ۱۸ کوس ہے، یہاں سے گنج اور گنج سے ملاواں، وہاں سے مراد آباد جا سکتے ہیں، اتنا معلوم ہوتے ہی ہم دونوں کمر ہمت باندھ کر روانہ ہو گئے، اس سے پہلے مجھ کو دو میل بھی پیادہ پا چلنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، مگر خدا جانے کیسا شوق اور کس قسم کا جذب تھا کہ جب ہم ملاواں پہونچے، اور تھانہ کے سامنے سے گذرے تو اس وقت ۲ ونج رہے تھے، اثنائے راہ میں ایک مقام پر ظہر کی نماز ادا کی، میں نے قبل نماز کے پانی سے استنجا کیا، کلوخ لینے کی نوبت نہیں آئی، اس پر میرے ساتھی نے مجھ کو ملامت کی اور کہا کہ میں مولانا سے تمھاری شکایت کروں گا۔

اثنائے راہ میں مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ میں حضرتؒ سے حدیث کی سند لوں گا، پھر شوق ہوا، کہ حصن حصین کی اجازت خصوصیت کے ساتھ حضرتؒ سے حاصل ہو، حضرتؒ کو اعلیٰحضرت شاہ محمد آفاق رحمۃ اللہ علیہ سے ملی ہے، مگر اس خیال سے کہ حضرتؒ کا مزاج مبارک نہایت نازک تھا میرے دل میں

پس وپیش ہورہا تھا کیونکہ اس کا موقع حاصل کیا جائے، عصر کا اول وقت تھا جب ہم دونوں مراداباد پہونچے، شہر کے باہر ایک پختہ کنواں تھا اُس کی جگت پر عصر کی نماز ادا کی، اس کے بعد شہر میں داخل ہوئے۔

مسجد میں پہونچتے ہی خادم نے آکر کہا کہ حضرت بلاتے ہیں، میرے رفیق طریق آگے اور میں اُن کے پیچھے چلا، حضرت حجرے کے سائبان میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، عادت کے موافق آپ نے فرمایا کہ:۔ یہ کون ہے؟ یہ کون ہے؟۔ انھوں نے اس کا جواب دیا مگر آپ مکرر یہی سوال فرماتے رہے، پھر پوچھا:۔ یہ کون ہیں؟ کہاں سے آتے ہیں؟ میرے رفیق نے کہا کہ لکھنؤ سے۔ فرمایا، کہ:۔ کہاں کے رہنے والے ہیں؟۔ انھوں نے کہا کہ رائے بریلی کے، مگر آپ نے ڈانٹا اور فرمایا، کہ:۔ کبھی لکھنؤ کہتے ہو، اور کبھی رائے بریلی۔ میں نے عرض کیا کہ میں رائے بریلی کا رہنے والا ہوں، لکھنؤ میں تحصیل علم کے لئے ٹھہرا ہوں، اور وہیں سے آرہا ہوں، فرمایا کہ:۔ رائے بریلی میں کہاں رہتے ہو؟۔ میں نے عرض کیا کہ تکیہ شاہ علم اللہؒ[1] میں، یہ سُن کر آپ نے عجیب انداز سے کروٹ بدل کر فرمایا، کہ:۔ وہ تو بڑے بزرگ تھے، فرمایا کہ بیٹھو، ہم دونوں بیٹھ گئے، پھر مجھ سے پوچھا کہ کیا پڑھتے ہو اور کس سے پڑھتے ہو؟۔ میں نے عرض کیا کہ میں ہدایہ پڑھتا ہوں، اور جناب مولوی محمد نعیم صاحب سے پڑھتا ہوں۔ فرمایا کہ اب فرنگی محل میں وہی اکیلے رہ گئے ہیں، فرمایا کہ جب ہم لکھنؤ میں تھے تو اُس وقت فرنگی محل میں اچھے اچھے لوگ تھے، اور وہ سب ہماری بہت خاطر کیا کرتے تھے، اس کے بعد آپ نے مفتی ظہور اللہ صاحبؒ و مفتی نعمت اللہ صاحبؒ و مولوی نورالحق صاحب و مولوی ولی اللہ صاحب وغیرہ کا ذکر فرمایا

---

[1] حضرت شاہ علم اللہؒ عہد عالمگیری کے مشہور شیخ طریقت اور متبع سنت بزرگ تھے، آپ حضرت سید آدم بنوریؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں، حضرت سید احمد شہیدؒ آپ کی پانچویں پشت میں ہوئے ہیں۔۱۲

اور کہا کہ اللہ برترا اُن کی قبروں کو ٹھنڈا کرے، میں نے عرض کیا کہ حضرت ہی بیعت کرنا چاہتے ہیں، آپ نے دستِ مبارک پھیلا کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور معمولی الفاظ بیعت کے ادا فرمائے، اور یہ ارشاد کیا کہ ہر روز سُو بار اسم ذات کا ذکر کر لیا کرو، اور آنکھ اور زبان بند کر کے دل کی زبان سے ذکر کرو، اور ایک سُو بار قل ھو اللہ پڑھ لیا کرو، اور سورۂ یٰسین بعد نماز صبح، اور سورۂ واقعہ بعد مغرب پڑھ لیا کرو، میں نے عرض کیا کہ حضرت ہی بیعت کرنا چاہتے ہیں، اس پر آپ کے چہرۂ مبارک پر کسی قدر آثار تکدر ظاہر ہوئے، پھر آپ نے ہاتھ بڑھایا اور اُن کو سلسلہ میں داخل فرمایا۔

میں نے عرض کیا کہ مجھ کو اس بات کی تمنا ہے کہ حدیث کی سند آپ سے حاصل ہو، آپ نے ازراہِ کرم میری التماس قبول فرمائی، اور مجھ کو اجازت دی اور فرمایا کہ میں تم کو حصن حصین کی بھی اجازت دیتا ہوں، اس کے پڑھنے سے سات سو (یا اس کے قریب قریب کوئی تعداد آپ نے فرمایا) آدمی اولیاء اللہ ہو گئے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہاں رہو گے مسجد میں یا مقبرے میں، میں نے عرض کیا جہاں حکم ہو، مگر میرے ساتھی نے کہا کہ مسجد میں پڑ رہیں گے، یہ سُن کر مکدر ہوئے، اور فرمایا کہ ہم نے مقبرے میں جگہ صاف کرا دی ہے، اور کلوخ استنجا رکھا دیئے ہیں وہاں آرام ہوگا، پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ علم کی غرض عمل ہے، اگر عمل نہ ہوا تو علم حاصل کرنا بیکار ہے، اولیاء اللہ جتنا پڑھتے تھے اُس پر عمل کرتے تھے، فرمایا کہ شاہ مینا شرح وقایہ پڑھتے تھے جب کتاب الزکوٰۃ تک پہونچے چھوڑ دیا، اُستاد نے سمجھایا تو کہا کہ علم کی غرض عمل ہے، صوم و صلوٰۃ مجھ پر فرض ہے اُس کا علم حاصل کرنا ضروری تھا، زکوٰۃ مجھ پر فرض نہیں، جب کبھی فرض ہو گی تو اُس کے مسائل بھی سیکھ لوں گا، اس وقت اس کا پڑھنا وقت کو ضائع کرنا ہے، یہاں تک پہونچ کر آپ پر کیفیت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور آپ نے اشعار پڑھنا شروع کئے، ان میں ایک شعر یہ بھی تھا۔ ؎

سر بسر چشم سنائی چوں سناں تیر باد
گر زمانے زندگی خواہد سنائی بے سنن

یہ شعر بھی آپ نے پڑھا تھا۔ ؎

بھرا دیوں تو کر کرا سر مر دیوں نہ جائے
جن نینن ماں پیو بسیں دوجے کون سمائے

وہاں سے اٹھ کر ہم لوگ مسجد میں آئے، حیرت یہ ہے کہ تکانِ سفر سے کچھ بھی ماندگی نہ تھی، اُس شب کو جس قدر نوافل میں نے پڑھیں، اور جس ذوق و شوق سے پڑھیں کبھی نہ پڑھی تھیں صبح کو جب رخصت ہونے کو گئے تو میرے ساتھی کو رخصت فرما دیا، میں جب آداب بجالایا تو فرمایا کہ ٹھہر و وہیں مسجد میں جاکر ٹھہر گیا، چاشت کے بعد آپ مسجد تشریف لائے، اور بیچ کے در میں بیٹھ گئے، حضرت احمد میاں صاحب و مولوی عبدالکریم صاحب و حکیم عظمت حسین صاحب وغیرہ بخاری شریف لے کر حاضر ہوئے، میں بھی حلقۂ درس میں شامل ہو گیا، آپ نے چھبیسویں پارے کے دو یا تین ورق پڑھے، باوجود کبر سنی کے چشمے کی مدد کی آپ کو حاجت نہیں ہوئی، شجرف کی روشنائی اور کلک کا قلم رکھا ہوا تھا، اُس سے تصحیح فرماتے جاتے تھے، جو لطف آپ کے پڑھنے میں تھا، وہ قابلِ دید تھا نہ شنید، دوسروں پر انوار باطنی کا اُس وقت انعکاس ہو رہا تھا، اور سب پر ایک کیفیت طاری تھی، بعد ظہر کے آپ پھر برآمد ہوئے، اور دو ورق سے زیادہ آپ نے پڑھے، اور بعد عصر کے پھر آپ برآمد ہوئے، اور کئی ورق آپ نے پڑھے، اس روز آپ نے بہ ہیئت مجموعی ڈیڑھ پارہ پڑھا، لوگوں سے معلوم ہوا کہ آج غیر معمولی طور پر تین بار درس دیا ہے، ورنہ معمول ایک یا دو بار کا تھا، میں اس کو اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔

تیسری بار جب میں حاضر ہوا تو عصر کا وقت تھا، آپ صحن سے باہر حجرہ کے محاذی تشریف

مہکتے تھے، نہایت لطف و محبت سے آپ نے شرف پذیرائی عطا فرمایا، اور دیر تک اپنے حالات بیان فرماتے رہے، اسی گفتگو میں آپ نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

دل ڈھونڈھنا سینہ میں مرے بوالعجبی ہے
اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے

سلسلۂ کلام کے ختم ہونے کے بعد میں نے عرض کیا کہ مجھ کو حدیث مسلسل سنائیے، آپ بہت محظوظ ہوئے، اور فرمایا کہ میں نے اپنے کانوں سے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی زبان سے سنا ہے، پھر آپ نے تیمم فرمایا، ایک بار دست مبارک کو مٹی پر مار منھ پر پھیرا اور پہونچوں تک ہاتھ میں مل لیا، اس کے بعد آپ نے یہ حدیث پڑھی:۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الراحمون یرحمھم الرحمٰن تبارک وتعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

پھر آپ نے فرمایا، کہ:۔ میں تم کو حدیث مسلسل بالمحبۃ کی بھی اجازت دیتا ہوں، اس حدیث کو میں نے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنا ہے:۔

یامعاذانی احبک فقل اللھم اعنی علیٰ ذکرک وشکرک وحسن عبادتک[1]

---

[1] استفادہ از مولانا سید عبدالحیؒ، مجموعۂ رسائل تصوف از نواب نور الحسن خاں۔ ۱۱

آستانۂ فقیر

از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی ؒ

مجھ کو ایک عرصہ سے مراد آباد کی حاضری کی آرزو تھی، اور باعث آرزو اشتیاق قدم بوسی حضرت شبلی عہد جنید دہر مولانا فضل الرحمن صاحب مدظلہم تھا، چند بار قصد کیا، لیکن محروم رہا، بارے اب کے آرزو پوری ہوئی، اور شرف پابوسی موجب سربلندی ہوا، جمعہ ۲۰ رجب ۱۳۰۸ھ کو بقصد مراد آباد یہاں سے روانہ ہو کر کانپور پہونچا، استاذی مولانا عبد الغنی خاں صاحب مرید حضرت شیخ کی معیت تھی، وہاں ایک وجہ خاص سے ایک روز توقف کرنا پڑا، دوسرے دن کانپور سے قصبہ گھور میں آیا، یہاں سے پالکی میں سوار ہو کر مراد آباد کو چلا، راستہ میں تھوڑی دیر میں ایک ندی ایسن نامی پڑی، پھر کچھ دور جا کر گنگا ملی، صبح کا وقت، ابر گھرا ہوا گنگا پر عجب لطف دیتا تھا، دس بجے مراد آباد پہونچا، دریافت ہوا کہ اس وقت حضرتؒ درس حدیث میں مشغول تھے، اس لئے بازار کے کنارے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا، تھوڑی دیر کے بعد مسجد کے اندر کے مقبرے میں جا بیٹھا، یہ مقبرہ خدا جانے کس زمانہ کا ہے، بیچ میں ایک قبر بنی ہوئی ہے، دھوئیں کے سبب سیاہ ہو رہا ہے، ایک طرف سنتیل پائی کا فرش پڑا تھا، اس پر اور چند آدمی جو حصول زیارت کے واسطے آئے تھے بیٹھے ہوئے تھے، میں بھی جا بیٹھا، مولانا اگرچہ فاصلہ پر تشریف رکھتے تھے، مگر یہاں اور مسجد کے باہر وہ رعب طاری تھا کہ کوئی فرد بشر با آواز بلند بات کرنے کی تاب نہیں رکھتا تھا، اور بے تکلف یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی زبردست حاکم کے باہر آنے کے منتظر ہیں، ایک گھنٹہ کے بعد شرف حضوری حاصل ہوا، حضرتؒ چارپائی پر تشریف رکھتے تھے، میں زمین پر بیٹھ گیا، کچھ تھوڑے سے دریافت حال کے بعد اشعار نعتیہ کمال شوق و ولولہ

پڑھنے لگے، چند منٹ کے بعد حجرے میں تشریف لے گئے، مجھ کو بھی اندر آنے کے لئے ارشاد فرمایا، بزرگوں کے حالات بیان فرمائے، مثنوی شریف کے شعر پڑھے، الحق کہ مثنوی کے شعر عجیب درد سے پڑھتے تھے، منجملہ اور اشعار کے یہ شعر بھی تھا۔ ؎

صحبتِ مرداں اگر یک ساعت است
بہتر از صد خلوت و صد طاعت است

کچھ عرصہ کے بعد استراحت کے واسطے رخصت فرمایا۔

حضرتؒ کا قامت بلند، بدن دُہرا، رنگ گورا، داڑھی چھوٹی نہایت سفید، آواز بھاری، اور باطنی کیفیت میں ڈوبی ہوئی، حضرتؒ کا لباس ڈھیلا انگرکھا، ڈھیلا پاجامہ، دوپلی ٹوپی تمام سر کو ڈھکے ہوئے، کیمخت کا جوتہ جس کی ایڑی بیٹھی ہوئی، حضرتؒ کا حجرہ پُرانا اور تنگ، ایک طرف چارپائی، اس پر فرد اور دری پڑی ہوئی (فرد اور دری دونوں نئے، شاید پندرہ روز کے ہوں گے) ایک طرف چوکی، اُس پر (مٹی کے) برتن اور قلمدان، باقی جگہ میں شکستہ و کہنہ بوریا بس۔

بعد ظہر مسجد میں تشریف لا کر حدیث شریف کا درس فرمایا، جس میں حاضر ہونے کی مجھ کو بھی عزت حاصل ہوئی، ایک گھنٹہ کے بعد حجرے میں رخصت کے واسطے طلب فرمایا، اور دعائے خیر کے بعد اجازت فرمائی، یہ مسجد (جس میں حضرتؒ کا قیام ہے) نہایت پُرانی اور مرمت طلب ہو رہی ہے، مسجد کے دروازے میں داخل ہونے پر جانب راست ایک مقبرہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا، اُس کے سامنے مغربی جانب چند قبریں، ایک کنواں اور کچھ دور مجمع نو بہار کے ہے، اگرہ کے مکان بھی کہنہ و ویران ہیں، غرض کوئی چیز اہلِ دنیا کی دلچسپی کی نہیں ہے، مگر صدہا امیر و غریب، تونگر و مفلس آتے ہیں اور جاتے ہیں، ایک کشش ہے کہ سب کو کھینچتی ہے، کسی فن کا آدمی ہو جب تک خود ہم کو اس میں مداخلت نہ ہو، ہم نہیں جانتے وہ کیسا ہے، کامل یا ناقص، اُستاد یا اناڑی، اگر ہم اصولِ اقلیدس سے واقف

نہیں، تو اگر ایک شخص کسی مشکل مشق کو حل کرے تو ہم یہی کہیں گے کہ کچھ لکیریں کاڑتا ہے اس کا کیا نفع ہے، یا اس کا حل کس ذہن و دماغ کا کام ہے یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے، ایسا ہی کچھ تصوف کا حال ہے، جب تک ہم صاحب حال نہ ہوں، یہ معما حل نہیں ہو سکتا، اور یہ مطلب صاف ہونا ممکن نہیں ہے۔

حضرتؒ کی خدمت میں پہونچ کر دو زبردست خیال میرے دل میں طاری ہوئے، جن کے سبب یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں نے حضرتؒ کا مرتبہ پہچان لیا، لیکن یہ جانا کہ ہم میں اور ان میں سوائے ظاہری مشابہت کے اور کوئی مشابہت نہیں، ہمارے خیالات سے ان کے خیالات الگ، اور ہمارے ارادوں سے ان کے ارادے جدا، ہمارے مشاغل سے ان کے مشاغل علیحدہ، ان کی امیدیں اور خوشیاں اور خوف اور مقصود اور، آگ لکڑی کو جلاتی ہے، ہم بھی دیکھتے ہیں، اور ان کے بھی پیش نظر ہے، لیکن ہم کیا سمجھتے ہیں، اور ان کے ذہن میں کیا آتا ہے۔

اوّل خیال تو یہ تھا کہ مراد آباد دنیا میں ہے، اور گاؤں نہیں، قصبہ ہے، لیکن حضرتؒ کی مسجد میں ایک دوسرا عالم نظر آتا تھا، دنیاوی معاملات کا کوسوں پتہ نہ تھا، خود حضرتؒ کی گفتار و کردار اور وہاں کے اہل قیام کے احوال سے (عام اس سے کہ وہ چند گھنٹے کے آئے ہوئے ہیں یا دو چار برس سے رہتے ہیں) یہ معلوم ہوتا تھا کہ کچھ ایسے لوگ ہیں جو تعلقات دنیا سے کنارہ کر آئے ہیں، حیدرآباد کے امیر کبیر نواب خورشید جاہ بہادر جو ۲۰ لاکھ کے معافی دار ہیں، میرے پہونچنے سے صرف ایک روز پہلے وہاں آئے تھے، مگر ان کا ذکر بھی نہ تھا، اور نہ کوئی وقعت ان کی کسی کے ذہن میں معلوم ہوتی تھی، حالانکہ کانپور اور لکھنؤ ان کے تذکروں کی صدا سے گونج رہے تھے، اور ہر ایک سوسائٹی (خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ) ان کے تذکروں کو اپنے جلسوں کا دلچسپ مبحث بنائے ہوئے تھی، پھر یہ کس کا اثر تھا؟ آیا مراد آباد کے پانی کا؟ ہرگز نہیں، وہاں کی خاک کا؟ ہرگز نہیں،

وہاں کے درو دیوار کا؟ ہرگز نہیں، حضرتؒ کے ہاتھ پاؤں کا؟ ہرگز نہیں، حضرتؒ کے بالوں کا؟ ہرگز نہیں، البتہ اُس کیفیت کا اثر تھا جو حضرتؒ کے قلب میں تھی۔ وہ کیفیت کیا تھی، اس سے کون واقف ہے، اور کوئی کیا جانے، مریض کا بدن بخار سے جلتا ہے مگر وہ سوائے اثر کے موثر کو نہیں جانتا، سبب کو تشخیص کرنا طبیب کا کام ہے، ہم بدن پر ہاتھ رکھ کر گرمی محسوس کر سکتے ہیں، مریض کو اپنا جسم گرم اور منھ کا مزا تلخ معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ جاننا کہ یہ غلبۂ صفرا کا نتیجہ ہے، طبیب کا کام ہے۔

دوسرا خیال یہ تھا کہ خود میرا ذہن مجھ کو ذلیل سمجھتا تھا، اور ہر چند حیرت سے غور کرتا تھا، لیکن کوئی وقعت اپنی میرے ذہن میں نہیں آتی تھی، دنیاوی جلسوں میں لفٹنٹ کے دربار دیکھے، رؤساء کے مجمع دیکھے، اہلِ علم کی مجلسیں دیکھیں، مگر کہیں اپنے نفس کو اتنا بے حقیقت نہیں پایا، اپنے اعمالِ ذمیمہ ماضیہ پر خود نفس ملامت کرتا تھا، اور اپنی بے ماگی پر خود نفریں کن تھا، ہر شخص سے خواہ وہ کوئی ہو اپنے تئیں کم وقعت تصور کرتا تھا، غرض ایک عجیب خیال تھا کہ پورا بیان میں آنا مشکل ہے، وہاں سے آنے پر یہ خیال ایسے رہے جیسے کہ کسی دلچسپ خواب کا صبح کو خیال اور لطف ہوتا ہے، رفتہ رفتہ یہ کیفیت زائل ہو گئی، اور چند لمحہ کے بعد پھر نفسِ امّارہ انا ولا غیری، اور ہمچو ما دیگرے نیست کے پھندے میں جا پھنسا، یہ خیال میرے نزدیک محض نئے اور نرالے تھے، جو مدت العمر میں کسی جگہ اور کبھی پیدا نہیں ہوئے، اس سے قیاس چاہتا ہے کہ وہ جگہ بھی کچھ اور جگہوں سے نرالی تھی، اللہ بس باقی ہوس[1]۔

۲۵ رجب المرجب ۱۳۰۵ھ
پنجشنبہ۔ اکبر آباد

---

[1] مقالات شروانی ص ۱۹، ۲۲

گنجِ بے رنج

از: حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مجھ کو دو مرتبہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے، یقین کے ساتھ تو ماہ و سنہ یاد نہیں ہیں، لیکن گمانِ غالب سے کہتا ہوں کہ اوّل مرتبہ جب حاضر ہوا ہوں تو سنہ ۱۳۰۱ھ تھا، اور مہینہ بھی غالباً ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ تھا، کیونکہ مجھے اتنا یاد ہے کہ یہ حاضری تعلق ملازمت کانپور کے کچھ بعد تھی اور تعلق کانپور کا زمانہ آخر صفر تھا، جو قربِ میلاد کا زمانہ تھا، اور اکثر لوگ میلاد کے متعلق مسائل دریافت کیا کرتے تھے، نیا نیا مدرس ہو کر کانپور گیا تھا، بعض وجوہ سے دو مہینے کے بعد ملازمت چھوڑ دی، اور تھانہ بھون واپسی کا ارادہ کیا، گو بعد کو مدرسہ جامع العلوم کی بنیاد پڑ گئی اور مجھے رکنا پڑا، اسی زمانہ میں جبکہ کانپور کو چھوڑنے کا قصد کر لیا تھا یہ خیال ہوا کہ حضرت مولاناؒ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کرتا جاؤں، کیونکہ معلوم نہیں پھر اس طرف آنے کا کبھی اتفاق ہو یا نہ ہو، چنانچہ ایک طالب علم مہدی حسن تھے جو قرآن شریف پڑھا کرتے تھے، اُن کو ہمراہ لے کر مراد آباد کے قصد سے روانہ ہوا، اناؤ تک ریل سے مسافت طے کی، باقی راستہ ٹٹو سے قطع کیا، راستہ کچھ اچھا نہ تھا ایسا ہی تھا، کوئی باقاعدہ سڑک نہ تھی، اور اس پر طرّہ یہ کہ ہم دونوں راستہ سے واقف نہ تھے، نہ کوئی پتہ نشان، نہ کسی سے پوچھا تھا، یوں ہی چل کھڑے ہوئے تھے، اور ٹٹو والا افیونی تھا، وہ پینک میں کہیں پیچھے رہ گیا، ہم اکیلے چلے جا رہے تھے، لیکن ہم دونوں راستہ سے ناواقف تھے، ناواقفی کی وجہ سے کئی جگہ راستہ بھولے، جب کوئی گاؤں نظر آتا اُس میں جا کر راستہ پوچھتے، پھر آگے چلتے

غرض کئی جگہ شبہ ہوا اس شبہ اور دھوکے ہی میں دن ختم ہوگیا، اور راستہ ہی میں آفتاب غروب ہوگیا، رات ہو جانے کے بعد ہماری پریشانیوں میں اور اضافہ ہوگیا، لیکن برابر چلتے ہی چلے گئے، کیونکہ شوقِ زیارت شدت کا تھا، خدا خدا کر کے پہنچے، عشا کی نماز ہو چکی تھی، مولانا مسجد سے حجرہ میں تشریف لے جا چکے تھے، خادم کے ذریعہ سے اطلاع کرائی گئی، حضرتؒ نے بلا لیا، اور میں نے رفیق کو اسباب کے پاس چھوڑا، اور خود اسی خادم کے ہمراہ حاضر ہوگیا، اتنا یاد ہے کہ وہاں ایک جانب تخت بچھا ہوا تھا جس کے پاس ایک بوریا بھی بچھا ہوا تھا، اور حضرت مولاناؒ ایک دوسری جانب چارپائی پر تشریف فرما تھے، میں سامنے جا کر کھڑا ہوگیا اور سلام عرض کیا، جواب دینے کے بعد اپنے مخصوص لہجہ میں بہت تیزی سے ایک ساتھ تین سوال کئے، کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ حضرت مولاناؒ کا لہجہ طبعی طور پر سادہ تھا، مزاج میں سادگی بہت تھی، عرفی تکلف کے پابند نہ تھے، صاف طبیعت تھے۔ گفتگو میں لہجہ ذرا تیز ہوتا تھا، خصوصاً اُس کے ساتھ جو معتقد ہو کر جائے، جیسے میں گیا تھا، اور وہاں تو اکثر لوگ معتقدانہ ہی حاضر ہوتے تھے، ایسا لہجہ تھا کہ اگر کوئی اجنبی شخص دیکھے تو یہ گمان کرے کہ مولانا غصہ فرما رہے ہیں، حالانکہ یہ بات نہ تھی، جس کو دو چار بار حاضری کا اتفاق ہو جاتا تھا وہ تو اچھی طرح سمجھ لیتا تھا کہ حضرت کا لہجہ ہی ایسا ہے، لطف و عنایت کی گفتگو میں بھی اکثر لہجہ کی یہی کیفیت ہوتی تھی، غرض مولانا نے تیز لہجہ میں یہ تینوں سوال ایک ساتھ کئے، کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ میں نے بھی علی الترتیب ادب کے ساتھ ان تینوں سوالوں کے جواب میں عرض کیا کہ میں ایک طالب علم ہوں، کانپور سے آیا ہوں، زیارت کو حاضر ہوا ہوں، یہ سُن کر اور تیز ہوئے اور فرمایا بڑے آئے زیارت والے، اُسے یہ کوئی وقت زیارت کا ہے، ایسے وقت کسی کی زیارت کو آیا کرتے ہیں، آدمی کو چاہئے کہ ذرا سویرے آئے، دوسرا کچھ روٹی وغیرہ کا انتظام تو ہو سکے، اب بتلاؤ تمہارے لئے کھانا کہاں سے لاؤں، تمہیں

خدا کا خوف نہ آیا، تم کو زمین نہ نگل گئی، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے جو اپنے دل کو دیکھا تو مطلق کسی قسم کی کوئی شکایت یا رنج نہ پایا، بلکہ اس سے زیادہ بھی کہہ لیتے تب بھی ذرا ناگوار نہ ہوتا، کیونکہ خاص عقیدت کے ساتھ حاضر ہوا تھا، اور عقیدت کا خاصہ یہی ہے، گو میرے پاس عذر تھا، لیکن میں نے اس وقت کچھ عرض کرنا خلافِ ادب سمجھا، یہ ایک تنبیہ تھی، سو میں کیا اس کا جواب دیتا، چپ کھڑا تھا، تھوڑی دیر بعد فرمایا، تمھارے پاس کچھ پیسے ہیں، میں نے عرض کیا، جی ہاں! ہیں۔ فرمایا اچھا جاؤ اور بازار سے کچھ لے کر کھالو اور صبح چلے جاؤ، میں نے عرض کیا، بہت اچھا، اس ارشاد کے بعد خادم سے کہا انھیں لے جاکر فلاں مکان میں ٹھہرا دو، چنانچہ ہم لوگ ساتھ ہولئے، اور اس نے لے جاکر ایک جگہ دکھا دی، ایسا خیال ہے کہ وہ ایک عام جگہ تھی محفوظ جگہ نہ تھی، سہ دری سی تھی، خیر میں مع ٹٹو اور رفیق کے وہاں چلا گیا اور سامان اتارنے لگا، یہی ارادہ تھا کہ بازار سے لے کر کچھ کھا پی لیں گے اور حسب الحکم صبح کو رخصت ہو جائیں گے، لیکن تھوڑی ہی دیر میں ایک خادم آیا اور کہا کہ مولانا نے یاد فرمایا ہے، میں نے دل میں کہا کہ کچھ اور یاد آیا ہوگا، لیکن میں نے دل میں کہا کہ بھائی سننے کو تو ہم آئے ہی ہیں، میں ساتھ ہولیا اور جاکر سامنے کھڑا ہو گیا، فرمایا، "بیٹھ جاؤ"! مگر لہجہ اب بھی ویسا ہی تھا، حالانکہ اس وقت لطف اور شفقت موجود تھی، جیسا کہ بعد کے برتاؤ سے معلوم ہوگا، کچھ لہجہ ہی ایسا تھا، وجہ یہ ہے کہ طبیعت میں سادگی تھی، تصنع اور تکلف نہ تھا، میں یہ ارشاد سن کر تخت کے پاس جو چٹائی بچھی ہوئی تھی اس پر بیٹھ گیا، فرمایا جی یہاں آجاؤ، تخت پر بیٹھو، حسب ارشاد اٹھ کر تخت پر بیٹھ گیا۔ پھر خادم سے فرمایا کہ ان کے لئے ہماری مٹی کے یہاں سے کھانا لاؤ، چنانچہ خادم اسی وقت جاکر کھانا لایا، ایک پیالہ میں سالن تھا، غالباً ارہر کی دال تھی اور اسی پر روٹیاں رکھی ہوئی تھیں، جب خادم نے کھانا میرے سامنے لاکر رکھا، تو مولانا نے دیکھ لیا، حالانکہ چراغ کی روشنی بھی کم تھی اور میں بھی کسی قدر فاصلہ پر تھا

حضرتؒ کی اس عمر میں بھی بہت اچھی تھی، کھانا دیکھ کر خادم سے فرمایا۔ بدتمیز، یوں کھانا لایا کرتے ہیں مہمان کے واسطے، ارے روٹی الگ طباق میں لاتا، سالن علیحدہ برتن میں لاتا، یہ کون سا طریقہ ہے کہ پیالہ پر روٹیاں رکھ کر لے آیا۔ خادم نے عرض کیا کہ میں نے طباق ڈھونڈا ملا نہیں، فرمایا جھوٹ بولتا ہے ارے فلاں نے طاق میں رکھا نہیں ہے، یہ غالباً کشف سے فرمایا، مولانا کو کشف بہت ہوتا تھا، خادم یہ سن کر دوڑا ہوا گیا اور طباق لے آیا، ورنہ سب روٹیاں ہاتھ میں لے کر کھانا پڑتیں، جب میں نے کھانا شروع کیا تو فرمایا کیا کھانا ہے؟ میں نے عرض کیا: حضرت! ارہر کی دال ہے اور روٹی ہے۔ فرمایا: سبحان اللہ! یہ تو بڑی نعمت ہے، تم تو لکھے پڑھے آدمی ہو، تم نے مولوی محمد یعقوبؒ سے پڑھا ہے، مولانا کو کشف ہوا، پھر فرمایا: بہت اچھے آدمی تھے، یہ گویا مولاناؒ نے بہت بڑی تعریف کی، کیونکہ مولاناؒ مبالغہ تعریف میں نہ کرتے تھے، اتنا فرمانا کہ بہت اچھے آدمی تھے، بہت بڑی تعریف ہے، اس سے حضرت مولاناؒ کا تعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے بھی ثابت ہو گیا، غرض فرمایا کہ تم تو لکھے پڑھے آدمی ہو، تم کو معلوم ہے کہ صحابہؓ کی کیا حالت تھی، ایک ایک چھوہارا کھا کر جہاد کرتے تھے، اور دن دن بھر لڑتے تھے، جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بڑھا تو جوش میں آ کر کھڑے ہو گئے، عادت یہی تھی کہ بزرگانِ دین کے تذکرہ کے وقت جوش میں آجایا کرتے تھے، غرض جوش میں کھڑے ہو گئے، اور پاس آ کر میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ لیا، اور دیر تک حضرات صحابہؓ کا تذکرہ کرتے رہے، میں کھانا کھاتا رہا، ایسا خیال پڑتا ہے کہ ایک آدھ شعر بھی پڑھا، پھر اس کے بعد فرمایا کہ بیر کھاؤ گے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت کا تبرک ہے، فرمایا ابھی تبرک وبرک کو چھوڑو، یہ بتاؤ کہ بیر کھانے سے تمہارے پیٹ میں درد تو نہیں ہو جاتا، میں نے عرض کیا حضرت نہیں، پھر وہاں سے چلے، اور ایک برتا ہوا بدھنا اٹھا کر لے آئے جس میں پیوندی بڑے بڑے بیر تھے، اور لا کر میرے سامنے الٹا کر دیا اور کہا کھاؤ، پھر بطور مزاح کے

فرمایا کہ کبھی دل میں کہتے آپ ہی کھا لیے مہمان کی بات بھی نہ پوچھی، جب میں کھانے سے فارغ ہو گیا تو فرمایا اچھا جاؤ عشا پڑھ کے سو رہنا اب صبح کو ملاقات ہوگی، پھر مولانا اس وقت تشریف لے گئے خبر نہیں کہاں حجرے میں یا مکان کے اندر، ہاں! حضرت نے کانپور سے گنج مرادآباد تک سفر کے متعلق بھی کچھ سوال کیا تھا، اور میں نے جواب بھی دیا تھا، اور اس پر حضرتؒ نے کچھ اصلاح بھی فرمائی تھی، لیکن تفصیل یاد نہیں، نہ سوال نہ جواب، نہ حضرت کی اصلاح، کچھ یاد نہیں، پھر میں نے نماز پڑھی اور جائے قیام پر چلا گیا اور سو رہا، صبح کی نماز مولانا کے پیچھے پڑھی، مولانا نے اسفار میں نماز پڑھی تھی اور خود امامت فرمائی تھی، چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں، پھر ہم لوگوں کی طرف منھ کر کے بیٹھ گئے یہاں تک کہ آفتاب اچھا اونچا ہو گیا، میرے سامنے مولانا نے نوافل نہیں پڑھے، پھر اٹھ کر ایک صاحب کی طرف متوجہ ہوئے جو سامنے کھڑے تھے، وضع سے کوئی رئیس معلوم ہوتے تھے، مگر قطع صورت، داڑھی بھی نیچی، جوڑ بھی اور پائینچے بھی ٹخنے سے اوپر، سردیوں میں اکثر لباس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ رئیس ہے یا معمولی حیثیت کا شخص، بہرحال مولانا نے ان کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا "تم کب جاؤ گے؟" انھوں نے کہا جمعہ کی نماز پڑھ کر جاؤں گا، فرمایا یہاں جمعہ پڑھ کر کیا ہوگا؟ انھوں نے کہا تو میں جمعہ اور کہاں پڑھوں گا، وہ بھی کوئی بے تکلف اور پرانے آنے جانے معلوم ہوتے تھے، مولانا نے فرمایا ہمیں کیا خبر کہاں پڑھو گے، ہم کوئی ٹھیکہ دار ہیں تمھارے جمعہ کے، لوگوں کو شرم نہیں آتی منھ پر داڑھی لگا کر پرائے ٹکڑوں پر پڑتے ہیں، وہ بھی بہت ہی بے تکلف تھے، انھوں نے کہا میں تو نہیں جاتا، یہ سن کر حضرتؒ ان کا شانہ پکڑے ہوئے اور زور لگائے ہوئے لے چلے، اور فرمایا نکلو یہاں سے (اس مقام پر پہنچ کر حضرت حکیم الامت مدظلہ العالی نے فرمایا کہ مجھے تو حضرتؒ کی ساری باتیں اچھی معلوم ہوتی تھیں ممکن ہے کوئی بدفہم یا معاند اس قسم کے واقعات سے حضرت مولاناؒ کے اخلاق پر شبہ کرے، ہمیں تو بزرگوں کی ساری ہی باتیں محبوب معلوم ہوتی ہیں، جس کو ذوق نہ ہو وہ جو چاہے سمجھے) غرض وہ

شخص تو چلے گئے، خبر نہیں تعبیہ سے بھی چلے گئے یا نہیں، میں نے دل میں کہا کہ اب تشاید میرا نمبر ہو چنانچہ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں جاتا ہوں، فرمایا بہت اچھا، میں چلا تو مولانا بھی ساتھ ساتھ چلے، میں سمجھا اتفاقاً اپنی کسی ضرورت سے اُسی جانب تشریف لے جا رہے ہیں، یہ گمان نہ تھا نہ اپنے کو اہل سمجھتا تھا کہ مشایعت کے لئے ساتھ ہیں، مگر بعد کو معلوم ہوا کہ یہی غرض تھی، کیونکہ راستہ میں مہمانوں کے ٹھہرنے کا جو مکان آتا حضرت دریافت فرماتے کیا یہاں ٹھہرے ہو، حتیٰ کہ وہ سہ دری آگئی جس میں میرا قیام تھا، میں وہاں رُک گیا تو مولانا بھی وہاں ٹھہر گئے، اور فرمایا ٹٹو منگاؤ اور سامان لاؤ، میں نے رخصتی مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت میرے لئے دعا کیجئے۔ فرمایا: ہم نے تمہارے لئے دعا کی ہے، پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو کچھ پڑھنے کو تبلادیجئے۔ فرمایا: قل ھو اللہ شریف، اور سبحان اللہ وبحمدہ دو دو سو بار پڑھ لیا کرو۔ اوروں سے بھی سنا کہ حضرت مولانا طالبین کو اکثر یہی پڑھنے کو تبایا کرتے تھے کیونکہ حدیث شریف میں ان چیزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے، اس کے بعد میں مع اپنے رفیق کے وہاں سے چلا آیا، چونکہ میں مسافر تھا جمعہ میرے ذمہ تھا ہی نہیں اس لئے فوت کا افسوس بھی نہیں ہوا، وہاں سے آجانے کے بعد ہی مدرسہ جامع العلوم کی بنیاد پڑ گئی، اور مجھ کو کانپور میں باصرار روک لیا گیا، ورنہ پہلے تو یہ خیال تھا کہ اب کانپور چھوڑ رہا ہوں حضرت سے مل آنا چاہئے، ممکن ہے پھر نہ حاضری ہو، غرض میرا کانپور میں قیام ہو گیا۔

پہلی مرتبہ کی زیارت کے تو یہ واقعات تھے، دوسری مرتبہ مہینہ رمضان کا تھا، اور سنہ تو تقریباً یاد نہیں، بس اتنا یاد ہے کہ پہلے سفر سے چند سال کے بعد دوبارہ حاضر ہوا، اس درمیان میں مولانا کبھی کبھی آنے والوں کے ذریعہ سے سلام کہلا بھیجتے تھے، مولانا تو ایسے آزاد تھے کہ کوئی چیز بھی یاد نہیں رہتی تھی، نہ معلوم یہ کیسے یاد رہ گیا، ایک شخص بیان کرتے تھے کہ مولانا کا مزاج تیز تو تھا ہی، انھوں نے حضرت مولانا سے میرا نام لے کر نہایت بدتمیزی سے کہا کہ آپ تو

اُس کے اخلاق اچھے ہیں، غایت تواضع سے فرمایا، ہاں بیشک اچھے اخلاق ہیں، پھر دوبارہ کئی سال کے بعد پھر حاضر ہوا، اس بار چند ہمراہی بھی تھے، اور ہدیہ کے طور پر میں کچھ پیڑے بھی لے گیا تھا، کانپور میں اُس زمانہ میں بہت اچھے پیڑے بنتے تھے، جنھیں بنگالی پیڑے کہتے تھے، سانچے میں بنتے تھے، بہت خوبصورت اور خوشبودار ہوتے تھے، مجھے بہت پسند تھے، حضرت کی پسند کی تو خبر نہ تھی میں نے سوچا کہ جو چیز خود مجھے پسند ہے اُسی کو ترجیح دینا چاہئے، چنانچہ میں نے پیڑے ہی ہدیہ کے واسطے لئے، نیز چونکہ رمضان شریف کا زمانہ اور مدرسہ کی تعطیل تھی، اس لئے حضرتؒ کی خدمت میں کچھ دن رہنے کی گنجائش تھی، اس خیال سے کہ شاید دو چار دن رہنا ہو جائے، ایک بوتل شربت انار کی بھی اپنے افطار کے واسطے ہمراہ لے لی تھی، کیونکہ گرمی کا زمانہ تھا، جب مرادآباد قریب رہ گیا تو مجھے خیال ہوا کہ ہم لوگوں کے اعمال اچھے نہیں، اکثر بزرگوں کو قلب کی تاریکی کا احساس ہو جاتا ہے اس لئے شاید ڈانٹ ڈپٹ فرماتے ہوں، لہٰذا اپنے قلب کو پاک صاف کرکے حاضر خدمت ہونا چاہئے چنانچہ وضو کیا، استغفار کی کثرت کی، ادب کے لحاظ سے سواری چھوڑ کر پا پیادہ چلے، اس حالت سے چلے جا رہے تھے، دوپہر کا وقت تھا، ایک بوڑھے شخص رستہ میں ملے، معلوم ہوا زیارت کو جا رہے ہیں وہاں پہنچ کر اوّل وہ پیش ہوئے، مولانا نے اُن سے پوچھا کہ روزہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا، جی ہاں! روزہ ہے۔ اس پر بہت خفا ہوئے، فرمایا، کس نے کہا تھا کہ سفر میں روزہ رکھو۔ اُن بیچاروں کو حکم ہوا کہ بس ابھی چلے جاؤ، ہمارا بھی روزہ تھا، ہم نے کہا بھائی خدا خیر کرے، ہم سے بھی یہی سوال ہوگا، چنانچہ واقعی پیش ہوتے ہی یہ سوال فرمایا کہ روزہ ہے، ہم نے سچی بات عرض کردی کہ حضرت ہے، مگر بجائے خفگی کے حضرت نے فرمایا کہ اچھا کیا، جوان آدمی ہو، روزہ رکھنا ہی مناسب تھا، یوں بظاہر مولانا ذرا مغلوب سے تھے، ورنہ بڑے عالم تھے، بڑے متقی تھے، حدود شرعیہ سے خوب واقف تھے، اور پورے متبع سنت تھے، دیکھئے چونکہ وہ صاحب بوڑھے تھے،

اُن کو سفر میں روزہ کا تحمل و شوار تھا، اُن پر خفگی کا اظہار فرمایا، اُور ہم لوگوں کے روزہ پر اظہار مسرت فرمایا، اور یہی محمل ہے، حدیث "لیس من البر الصیام فی السفر" کا، غرض ہم بہت خوش ہوئے کہ چلو ایک خطرے سے تو نجات ملی، اُس وقت مولانا ایک چارپائی پر تشریف رکھتے تھے، یہ نہیں پتہ کہ بیٹھے تھے یا لیٹے تھے، غالباً لیٹے تھے، نیچے چٹائی بچھی تھی اُس پر ہم لوگ بیٹھ گئے، مولانا نے غالباً پہچانا نہیں، ہم نے اپنے اپنے ہدایا پیش کئے، مولانا کو تنباکو سے اُور صابن سے بہت رغبت تھی، حقہ نوش فرماتے تھے، اُور کپڑے گھر ہی میں دُھلواتے تھے، میرے ہمراہی تنباکو اُور صابن ہدیہ میں لے گئے تھے، اُور مجھے خبر ہی نہ تھی کہ مولانا کو ان چیزوں سے رغبت ہے، اُوروں نے تو تنباکو اُور صابن پیش کیا، اُور میں جو ہدیہ میں لے گیا تھا وہ میں نے پیش کر دیا یعنی پیڑے، اُوراُن کی چیزیں لیں لیکن کچھ فرمایا نہیں، میں نے جو پیڑے پیش کئے تو خوش ہو کر فرمایا کہ ہم تو اس کا شربت پیا کرتے ہیں، اُور خادم سے فرمایا کہ انھیں اٹھا کر رکھو ہم ان کا شربت پیا کریں گے، میں خوش ہوا کیونکہ میرا خیال تھا کہ میرا ہدیہ کیا پسند آئے گا، اوروں کا ہدیہ پسند فرمائیں گے، کیونکہ وہ لوگ حضرتؒ کی رغبت کی چیزیں لائے تھے، لیکن خلاف توقع معاملہ برعکس ہوا، اُوروں کو بھی تعجب ہوا، میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر اُدا کیا، پھر از خود فرمایا کیا تمھارے پاس کوئی دوا بھی ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت دوا تو میرے ساتھ کوئی نہیں ہے (کیونکہ میں شربت انار کو دُوا کے طور پر نہیں لے گیا تھا) اس پر ساتھیوں نے مجھ سے آہستہ سے کہا کہ شربت انار تو ہے، میں نے مکرر عرض کیا کہ حضرت شربت انار البتہ ہے، فرمایا۔ وہ تو تم نے افطار کے لئے اپنے ساتھ لیا ہے۔ میں نے کہا۔ لایا تو تھا افطار ہی کی نیت سے مگر اُب جی چاہتا ہے کہ حضرت قبول فرمالیں۔ فرمایا۔ بہت اچھا۔ چنانچہ میں نے پیش کیا اُور حضرتؒ نے وہ بھی قبول فرمالیا، ہدیوں سے فارغ ہونے کے بعد مختلف باتیں فرماتے رہے، بعض بعض یاد بھی ہیں، مثلاً فرمایا، کہ:۔ کہنے کی بات تو نہیں ہے، لیکن تم سے کہتا ہوں کہ جب میں سجدہ کرتا ہوں

تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے پیار کرلیا، دوسری بات یہ فرمائی کہ بھائی جنّت کا مزہ برحق، حوضِ کوثر کا مزہ برحق، مگر نماز میں جو مزہ ہے کسی چیز میں نہیں، ایک یہ فرمایا کہ بھائی ہم تو قبر میں بس نماز پڑھا کریں گے، دعا ہے کہ ہمیں تو اللہ میاں قبر میں یہ اجازت دیدیں کہ بس نماز پڑھے جاؤ چوتھی بات میں کچھ شک ہے، اسی جلسہ میں فرمایا یا بعد کے کسی جلسہ میں، بلکہ اس میں بھی شک ہے کہ بلا واسطہ سُنا یا بواسطہ، بہرحال اگر بواسطہ بھی سنا ہوگا تو کسی ثقہ راوی ہی سے سنا ہوگا کیونکہ اس کی صحت کا مجھے اتنا وثوق ہے کہ بلا واسطہ سننے کا احتمال ہے، بہرحال چوتھی بات یہ فرمائی کہ جب ہم جنّت میں جائیں گے اور یہ ایسے طور پر فرمایا جیسے یقین ہو کہ جنّت میں ضرور جائیں گے، (حق تعالیٰ سے ایسی قوی اُمید تھی کہ کچھ شک ہی نہ تھا) اور حوریں آئیں گی تو ہم اُن سے صاف صاف کہہ دیں گے کہ بی اگر قرآن سنانا ہو تو سناؤ ورنہ جاؤ اپنا راستہ لو، اس قسم کی شان مولانا کی تھی اتنے میں ایک شخص اندر چلا آیا، اُس کو بہت ڈانٹا کہ بڑے بے تمیز ہو، مُنھ اٹھائے چلے آرہے ہو یہ نہیں دیکھتے ہو کہ موقع ہے یا نہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ کوئی خاص بات کررہا ہے، گویا مولانا نے اپنے نزدیک ہم لوگوں کو خلوت کا وقت دیا تھا، اپنے اسرار ظاہر کرنے کے لئے خلوت پسند فرمائی، جب یہ باتیں ہو چکیں تو ارشاد ہوا کہ مسجد میں بھی جگہ ٹھہرنے کی ہے اور مکان بھی موجود ہے، کہاں ٹھہروگے، میں نے عرض کیا کہ حضرت جہاں آپ کا قرب ہو، فرمایا تو مسجد میں ٹھہر جاؤ، ہم لوگ مسجد میں ٹھہر گئے، دوپہر کا وقت تھا، کچھ لیٹے بیٹھے، اتنے میں ظہر کا وقت آگیا، نماز پڑھی، شام کو بعد افطار بہت پُرتکلف کھانا آیا، کئی طرح کا، چار یا پانچ قسم کا تھا، جیسے کہ امراء کی عادت ہے یا متوسط لوگوں میں بھی اپنے خاص خاص معزز مہمانوں کے لئے کئی کئی کھانے پکوانے کی عادت ہے، بہت ہی عنایت تھی، ورنہ مولانا کی وضع بالکل آزادانہ تھی، وہاں تکلفات کی بھلا کیا گنجائش، اسی طرح سحری میں بھی کئی قسم کا کھانا آیا، غرض ایک آدھ دن جب گذرا میں نے واپسی کی اجازت چاہی اُو

اس درمیان میں مختلف جلسوں میں مختلف باتیں فرماتے رہے جو کہ اب یاد بھی نہیں، بہر حال جب میں نے اجازت چاہی فرمایا ابھی کیا جلدی ہے، مدرسہ کی تعطیل ہے، رمضان شریف کا زمانہ ہے اور ٹھہرو، ہم تو یہ چاہتے ہی تھے، حضرتؒ کے ارشاد کو غنیمت سمجھا، اور واپسی کے ارادہ کو ملتوی کر دیا، جب میں نے دیکھا کہ رہنا تو ہو ہی گیا ہے، لاؤ حضرت سے حصن حصین ہی پڑھ لیں، چنانچہ میں نے عرض کیا، حضرت نے بڑی خوشی سے فرمایا: بہت اچھا۔ میں نے شروع کی حضرت کہیں کہیں کچھ تحقیق بھی فرماتے جاتے تھے، چنانچہ ایک جگہ "شوقاً الی لقائك" آیا، تو فرمایا:۔ اچھا بتاؤ شوق کا کیا ترجمہ ہے۔ میں نے عرض کیا، حضرتؒ ہی ارشاد فرمادیں، فرمایا "تڑپ" اور درمیان میں مختلف وقتوں میں نعرے بھی لگاتے تھے ذوق و شوق میں، کھانا برابر تکلف کا آتا رہا لطیف اور کئی کئی قسم کا، جب حصن حصین ختم ہو گئی اور ہم لوگ رخصت ہوئے، تو میں نے عرض کیا کہ حضرت تبرکاً حدیث شریف کی بھی اجازت دیدیجئے۔ فرمایا:۔ جی ہاں اجازت ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ:۔ ابھی آیا کرو اور کبھی کبھی کچھ سنا جایا کرو۔ لیکن پھر اتفاق حاضری کا نہیں ہوا[1]۔

---

[1] نیل المراد فی السفر الی گنج مرادآباد۔ شمائل ارواح ثلثہ ص ۲۴۵-۲۵۶

سفرِ سعادت

از صفی الدولہ نواب علی حسن خاں مرحوم (فرزند اصغر نواب صدیق حسن خاں مرحوم)

۱۳۰۵ھ میں حضرت والد محترم نے ریاست کے اندرونی سیاسی تغیرات اور زمانے کے روز افزوں انقلابات کو پیش نظر رکھ کر اور "مباش ایمن از بازیٔ روزگار" پر عمل پیرا ہو کر از راہِ دور اندیشی یہ ارادہ کیا کہ شہر قنوج میں جو قدیم آبائی وطن ہے، بطور یادگار سلف اور مصالح آئندہ کے لحاظ سے ایک مکان ہم لوگوں کی سکونت کے لئے تعمیر کیا جائے، اور ساتھ ہی اس کے ان کی دین پرستی اور معارف نوازی اس کی مقتضی ہوئی کہ جس طرح وہ مجھ کو دنیوی مال و متاع سے آسودہ حال دیکھتے ہیں، اسی طرح وہ معارفِ باطنی کی دولتِ لازوال سے بھی میرے جیب و دامن کو مالامال دیکھیں اس لئے انھوں نے سفرِ قنوج کا ایما کیا اور تعمیر مکان کو میری پسند و مرضی پر محمول کیا اور سرخیل صوفیائے عصر، شیخ وقت حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب مرادآبادی قدس سرہٗ العزیز کے شرفِ حضوری اور برکاتِ انفاس سے مستفید ہونے کی طرف توجہ دلائی، چنانچہ تیسویں ماہ جمادی الاول ۱۳۰۵ھ کو دوشنبہ کے دن بھوپال سے روانہ ہو کر چہارشنبہ کے روز میں قنوج پہنچا اور اپنے جدِّ بزرگوار حضرت سید علامہ مولانا اولاد حسن صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ خلیفۂ حضرت مجددِ عصر مولانا سید احمد صاحب بریلوی شہید قدس سرہٗ کے مزارِ پرانوار کی زیارت و فاتحہ سے شرف اندوز ہوا۔ نمازِ ظہر کے وقت باوجود غایت معذرت بعض مریدان و معتقدانِ خاص جدِّ مرحوم کے اصرار سے مجبور ہو کر جدِّ مرحوم کی مسجد قدیم میں مجھ کو امامت کرنی پڑی۔ فراغ نماز کے بعد حضرت جلال ثالث رحمۃ اللہ علیہ و حضرت بالا پیرؒ و حضرت حاجی شریف زندنیؒ کی زیارتِ مزارات و فاتحہ خوانی سے مشرف ہوا۔

پھر وہاں سے چوتھی جمادی الثانی کو گنج مراد آباد روانہ ہوا۔ جمعہ کے دن مغرب کے وقت وہاں پہنچ کر حضرت مرشدنا و مولانا مولوی فضل رحمٰن صاحبؒ کی خدمتِ اقدس میں باریاب ہوا، حضرت طہارت گاہ سے برآمد ہو کر حجرے کی صحنچی میں وضو کر رہے تھے، مجھ کو دیکھ کر فرمایا کہ:- حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر کے پاس تنہا اور پیدل جایا کرتے تھے[1]، اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بہت دور سے پیادہ پا آیا کرتے تھے، اس کے بعد مجھ سے فرمایا کہ میں وضو کرتا ہوں تم دیکھتے جاؤ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح وضو کیا کرتے تھے، غرض جب وضو اور نماز سے فارغ ہوئے تو ایک حاضر الوقت صاحب سے میری نسبت فرمایا کہ یہ امیر آدمی ہیں ان کو احمد میاں کے گھر میں ٹھہراؤ، تھوڑی دیر میں جناب احمد میاں صاحب خود آکر مجھ کو اپنے مکان پر لے گئے، رات بھر وہاں قیام رہا، صبح کو نمازِ فجر کے بعد پھر مجھ کو حضرتؒ کے دیدار فائض الانوار سے مستفیض ہونے کا موقع ملا، اور میں نے اُن کے دستِ شریعت و طریقت پناہ پر طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی، قریباً نصف ساعت سے زائد حضرت مراقب رہ کر مجھ کو اپنی توجہ اور ہمت باطنی سے مستفید فرماتے رہے، اس کے بعد سر اُٹھا کر اپنی زبانِ فیض ترجمان سے بیتابانہ عشق کے لہجہ میں فرمانے لگے:- "اپنے پیا پر تن من واروں، جو واروں سو تھوڑا رے" اس وقت برق و روح کے اتصال اور جذبات و تجلیات کے باہمی امتزاج سے میرے دل پر جو ایک پُر سرور والہانہ وجدانی کیفیت طاری تھی، اس کو لفظوں میں ادا کرنا میرے لئے قطعاً ناممکن ہے۔ ؎

لطیفہا کہ بہ لفظ و بیاں نمی گنجد　　　توچوں فرشتہ زغیب آمدی و دا گفتی

---

[1] غالباً نواب صاحب مرحوم اپنے ملازمین و رفقاء کے ساتھ سواری سے پہونچے تھے۔ ۱۲

بہرحال اس کے بعد حضرتؒ بہت سے اشعار فارسی اور اردو اور ہندی کے ایک دلکش انداز و پُرتاثیر لہجہ کے ساتھ پڑھتے رہے، اُن میں صرف یہ دو شعر مجھ کو یاد رہ گئے۔ سے

پروانہ نیستم کہ بہ یکدم عدم شوم　　شمعم کہ جاں گدازم ودم برنیاورم

در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را　　بر صفحۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

اخیر صحبت میں جب میں نے رخصت ہونے کا قصد ظاہر کیا، تو حضرتؒ نے فرمایا کہ:۔ تم اپنے والد سے کہہ دینا کہ ہم تمہارے لئے دعا کیا کرتے ہیں، خدا تم کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے، اتباع سنت بہت مشکل ہے، پھر میں حضرت کے پاس سے اٹھ کر چلا آیا، تھوڑی دیر کے بعد حضرتؒ حجرے سے صحن مسجد میں آکر بیٹھ گئے، اور نسائی شریف کا درس جناب احمد میاں صاحب مرحوم کو پڑھانے لگے، میں بھی وہاں جا بیٹھا، دوران سبق میں حضرتؒ نے مجھ سے پوچھا کہ اسمٰعیل کے معنی جانتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ آپ ارشاد فرمائیں، حضرتؒ نے کہا کہ اسمٰعیل کے معنی ہیں خدا کا فرمانبردار، جب درس سے فراغت ہوئی تو آپ نے صحن مسجد میں ٹہلنا شروع کیا اور میرے قریب تشریف لاکر اور مسکرا کر آہستہ سے از راہِ شفقت میری پشت پر مکا مارا اور حجرہ میں تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد جناب احمد میاں صاحب کے ہمراہ میں پھر حضرتؒ کے حجرے میں پہنچا اور توفیقِ الٰہی کے موافق نذر دکھائی، آپ نے زرِ نذرانہ کو خوشی کے ساتھ اپنے دامن میں لے لیا، اور وہیں کھڑے کھڑے میرے سامنے تمام زرِ نذرانہ ضرورت مندوں اور محتاجوں کو تقسیم کر دیا اور ایک حبہ باقی نہیں چھوڑا، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم کو یہاں آنے سے کیا فائدہ ہوا، اپنا نقصان مفت میں کیا، چونکہ میں اسی وقت لکھنؤ روانہ ہونے کے لئے تیار تھا، اور سواری کچھ دور کھڑی ہوئی تھی، میں نے مراجعت وطن کی اجازت چاہی، حضرتؒ نے خدا حافظ کہہ کر اور یہ شعر

پڑھ کر مجھ کو رخصت کیا۔ ؎

دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا می روی[1]

---

[1] معارف نمبر ۲۔ جلد ۳۹۔

گنج مراد

(از: مولوی عباد علی گرسوی مرحومؒ)

راقم سطور نے بارہا اپنے مخدوم دوست صوفی عبدالرب صاحب ایم اے سے اُن کے والد عباد علی صاحب کی گنج مراد آباد کی حاضری اور حضرت مولاناؒ کی زیارت اور اُن کی تعلیم و تلقین کے واقعات بڑے دل آویز طریقے پر سُنے تھے، میری فرمائش پر صوفی صاحب نے یہ حالات قلمبند کرکے بھیجے ہیں جو یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

میں نے اگرچہ حضرت گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی سعادت نہیں پائی، لیکن والد مرحوم نے جس طرح اُن کے حلیہ کا نقشہ کھینچا، اُن کی ہر یاد پر دیدۂ تخیل سے اُن کی زیارت کرلیتا ہوں۔

میں اس وقت اُن حالات کو قلمبند کر رہا ہوں جو میں نے حضرت والد ماجد مرحوم کی زبان سے بارہا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں سُنے ہیں، ان میں سب سے زیادہ عجیب وہ واقعات ہیں، جو والد ماجد مرحوم کو مرید ہونے کے سلسلہ میں پیش آئے، جن کو والد صاحب مرحوم ایک عجیب کیف محبت کے ساتھ عمر بھر بیان کرتے رہے، اب میں بھی ان کو صفحۂ قرطاس پر ثبت کرکے اپنی اور اپنے ناظرین باتمکین کی لطف اندوزی کا سامان کرتا ہوں۔

حضرت علیہ الرحمۃ سے والد ماجد مرحوم کے مرید ہونے کی تاریخ وغیرہ تو مجھ کو معلوم نہیں، اور یہ بھی یاد نہیں کہ والد صاحب نے کبھی اس کو بیان کیا ہے یا نہیں، لیکن اندازہ یہ ہے کہ غالباً سنہ ۱۳۰۰ھ کے قریب کا یہ واقعہ ہے، کیونکہ والد صاحب نے تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی؟

(۲۷ر جون ۱۹۴۷ء، ۷ر شعبان ۱۳۶۶ھ یوم جمعہ) اُور ۲۵، ۲۶ سال کی عمر میں مرید ہوئے تھے۔

والد صاحب بیان فرماتے تھے کہ ہماری پانچ بہنیں تھیں، بھائی کوئی نہ تھا، چار سال کی عمر میں ہمارے باپا صاحب کا انتقال ہوگیا تھا، بڑی زمینداری بہت پہلے نکل چکی تھی، جو زمینداری اپنے رہائشی آبائی موضع اگاسنڈ ملکپور (ڈاک خانہ کرسی ضلع بارہ بنکی) میں رہ گئی تھی وہ بھی نکل چکی تھی، بیوہ ماں، پانچ بہنیں، سیر کی کاشت کا کوئی انتظام نہیں، اُور کوئی کمانے والا نہیں، بہنیں کشیدہ کاری کرتیں، اُور بڑی محبت سے میری پرورش کرتیں، میں اپنی ماں بہنوں کی خوش انتظامی سے کرسی پڑھنے جایا کرتا تھا، میرے ساتھیوں میں ایک ساتھی میرے عمر بھر کے دوست ثابت ہوئے، یہ تھے حضرت مولانا صادق الیقین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو بچپن ہی سے بڑے سلیم الطبع تھے، اُور بعد میں گنگوہ شریف کے فیوض و برکات سے مالامال ہوئے، اُور قطب زمانہ حضرت مولانا شاہ رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ مجاز ہوئے، اُور مکۂ مکرمہ میں انتقال فرما کر وہیں مدفون ہوئے، مولانا صادق الیقینؒ کی خانگی تعلیم کے لئے جو انتظام ہوا تھا میں بھی اس سے فیض اندوز ہوتا تھا، اُور مولانا کا ساتھی اُور ہم نشین تھا، ان کے والد ماجد حضرت حافظ شاہ سراج الیقین صاحب نے اُن کی تعلیم و تربیت میں بڑی سعی بلیغ سے کام لیا، میری عمر اسی دینی ماحول میں بڑھتی رہی اُور میرے دل میں کسی شیخ کامل کے پاس پہونچنے کی ایک لگن اس لئے اُور بھی پیدا ہوگئی کہ دنیاوی اعتبار سے مجھ کو فکروں نے گھیر رکھا تھا، اُس زمانہ میں میرا عجیب حال تھا، تعلیم کے چند گھنٹوں میں دینی ماحول رہتا تھا، گھر پر پوری آزادی حاصل تھی، اُور کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ تھا، بہت سی خلافِ شریعت باتوں میں مبتلا تھا، بعض کے بارے میں علم تھا کہ یہ بُری باتیں ہیں، اُور دل سے اُن کو بُرا سمجھتا تھا پھر بھی اُن میں مبتلا تھا، اُور بعض کے بارے میں علم ہی نہ تھا، ان حالات میں ایک طرف رزق کی تنگی کے سبب مجھ کو کھیتی باڑی کے کاموں میں حصّہ لے کر آمدنی کی صورت نکالنی پڑتی تھی، یہ کام خلافِ عادت

اُور خلافِ مزاج تھا، اِس محنت کا اثر صحت پر نہایت بُرا پڑا، انگلیوں کے سرے نہایت بدہئیت ہو گئے تھے، مخالفین نے مشہور کر رکھا تھا کہ ان کو سفید داغ ہو گئے ہیں، دوسری طرف عقدِ نکاح کو چھ سال گزر گئے تھے، اُور کوئی اُولاد نہ تھی، اِس سلسلہ میں بھی اپنوں پرایوں میں چہ میگوئیاں تھیں نہ کوئی سر پر ہاتھ رکھنے والا تھا، نہ کوئی اپنے کو سنبھالنے والا، افلاس اپنے شباب پر تھا، کُڑھتے کُڑھتے تنگ آچکا تھا، گنج مراد آباد کے حضرت مولانا کا نام سُنا کرتا تھا، دھیرے دھیرے اُن سے ایسی عقیدت پیدا ہوئی کہ اُن کی خدمت میں پا پیادہ سفر کر کے حاضری کا پختہ ارادہ کر لیا، اُس وقت میرا سن ۲۵، ۲۶ سال سے زیادہ نہ رہا ہوگا، دل میں آرزوؤں کا ایک طوفان تھا، حضرت گنج مراد آبادیؒ کے کشف و کرامات کے چرچے ہو رہے تھے، دل میں اُمید لے کر چل کھڑا ہوا، راستہ کا حال کیا بتاؤں سفر پا پیادہ تھا، تیسرے روز منزل بہ منزل کرتا ہوا عصر سے پہلے گنج مراد آباد شریف پہونچ گیا، جب حضرت مولانا کی مسجد کے سامنے پہنچا تو زیارت کے بارے میں طرح طرح کے خیالات تھے کہ یوں زیارت ہوگی، اِس طرح حال عرض کروں گا وغیرہ وغیرہ۔

اَب وہ حال سنئے جو پیش آیا، مسجد کی فصیل پر ایک دراز قامت بڑے میاں بے تکلفی سے سرین کے بل پاؤں آگے نکالے ہوئے اُتر دکھن رُخ میں بیٹھے نظر آئے، چہرہ میری ہی طرف تھا، دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کا حلقہ کئے بڑے دانوں کی تسبیح پڑھ رہے تھے، سر پر گاڑھے کی یا کسی دوسرے موٹے کپڑے کی ٹوپی پہنے تھے، جس کے سرے کانوں کی طرف تھے، اُور ٹوپی سر پر خوب منڈھی ہوئی تھی، سینہ کے بال نظر آرہے تھے، کیونکہ جو گاڑھے کی اچکن پہنے ہوئے تھے اُس میں بٹن نہ تھے، بلکہ گھنڈی تھی، اُور سینہ کھلا ہوا تھا، مجھے تو یقین ہو گیا کہ یہ بڑے میاں ہو نہ ہو اِس مسجد کے مؤذن ہیں، دل خوش ہوا کہ ان سے باتیں کر کے سب حال معلوم ہو جائے گا، اِس شوق میں مسجد کے اندر جانے کے لئے ایک پاؤں جوتے سے نکال کر اندر رکھا ہی تھا، میرے ایک ہاتھ میں بانس کا ہلکا سا

عصا بھی تھا، ابھی دوسرا پاؤں اندر نہ رکھا تھا کہ وہ بڑے میاں بلند آواز سے برہمی کے ساتھ فرمانے لگے: "کھینچو، کھینچو، کھینچو، کھینچو" میں ششدر کھڑا رہ گیا، سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کھینچوں، مجھ کو ہکا بکا دیکھ کر وہ میری طرف تیزی سے آئے، اور میں ڈرا کہ اب پٹا، یہ بغیر مارے نہ چھوڑیں گے۔

لیکن یا تو وہ برہمی تھی یا میرے پاس آکر بڑی نرم اور شیریں آواز میں محبت سے فرمایا کہ "میاں کیسے آدمی ہو، مسجد میں کوئی بایاں پاؤں پہلے رکھتا ہے" اب میں نے فوراً اپنا بایاں پاؤں کھینچ کر پھر اپنے جوتے پر رکھ لیا اور اُن کے سامنے کھڑا ہوا ان کی باتیں سنتا رہا، کہ: جب مسجد کے اندر آتے ہیں تو داہنا پاؤں پہلے اندر رکھتے ہیں، درود شریف پڑھتے ہیں، اور پڑھتے ہیں:۔ "اللّٰھم افتح لی ابواب رحمتک" اور جب مسجد سے نکلتے ہیں تو پہلے بایاں پاؤں باہر رکھتے ہیں، اور درود شریف پڑھتے ہیں، اور پڑھتے ہیں:۔ "اللّٰھم انی اسئلک من فضلک" یہ بتا کر وہ واپس ہوئے اور ٹہلنے لگے، میں نے تعلیم کے مطابق داہنا پاؤں اندر رکھا اور اپنا عصا لئے ہوئے صحن سے گزر کر مسجد کے دالان میں جانے لگا، انھوں نے دوبارہ پھر تیز لہجہ میں ڈانٹا، "اپنا لٹھ وہاں کہاں لئے جا رہے ہو، کیا وہاں فوجداری ہو رہی ہے، یہیں باہر رکھ دو" میں نے جھجک کر اپنا عصا باہر کھڑا کر دیا، اور جوتے رکھ دیئے، میرے دل میں رہ رہ کر آنے لگا کہ حضرت مولاناؒ شاید یہی ہیں، لیکن اُن کے لباس اور وجاہت کا جو تصور خود ہی باندھ رکھا تھا، ان کے حلیہ اور لباس کی مطابقت اس سے نہ ہو سکی، اسلئے کشمکش و پنج ہی میں رہا، اور یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ واقعی حضرت مولاناؒ یہی ہیں، میں نے سوچا کہ لاؤ وضو کر لوں تو ڈرتے ڈرتے انھیں سے کچھ پوچھوں کہ حضرتؒ کی زیارت کیسے ہوگی، یہ تو یاد نہیں کہ میرا پاجامہ شرعی تھا یا ٹخنے بھی بند تھے، لیکن اچکن کے بارے میں خوب یاد ہے کہ نہایت سفید اودھی (جامدانی) کی اچکن تھی، اور آستین فیشن کے مطابق

خوب چست تھی، وضو کے لئے پانی لے کر بیٹھا اور تنگی سے آستین چڑھانے لگا کہ وہ بزرگ پھر میری طرف دوڑے، اور اپنی اچکن کی ڈھیلی ڈھالی آستین دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر آستین والا ہاتھ بالکل میرے منھ کے قریب لاکر اور جھک کر بار بار یہ فرمانے لگے :- "ایماندار ہوتے تو ایسی آستین نہ ہوتی، ایماندار ہوتے تو ایسی آستین نہ ہوتی"۔ چند بار یہ جملہ دہرا کر واپس تشریف لے گئے، اب مجھ پر ان کی ہیبت طاری ہو گئی، اور دل بولنے لگا کہ واقعی حضرت اقدس یہی ہیں، اس لئے وضو کر کے خاموش دو زانو سر جھکا کر بیٹھ گیا، نہ ان کی طرف دیکھنے کی ہمت، نہ بات کرنے کی، تھوڑی دیر بعد عصر کی نماز ہوئی، امام یہی بزرگ بنے، اس سے فیصلہ ہو گیا کہ حضرت مولانا یہی ہیں، بعد عصر حضرت ہی کے حکم سے ایک صاحب مجھ کو ٹھہرنے کی جگہ پر لائے، اور مجھ سے پوچھ لیا کہ کہاں سے اور کس لئے آئے ہو، بعد میں کھلا کہ یہ حضرت کے خادم تھے، اور حضرت ہی کے ایماء سے مجھ سے پتہ نشان پوچھا تھا، تھوڑی دیر بعد یہی صاحب مجھ کو حضرت کے پاس بلا لے گئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عادت شریفہ یہ تھی، کہ مقامی زبان میں کلام فرماتے تھے، شہری لکھنوی بولی نہ بولتے تھے، ہاں اثنائے کلام میں جب کوئی اہم بات ہوتی تو خالص کتابی زبان استعمال فرمانے لگتے تھے، مجھ سے اس مقامی زبان میں سفر اور غرض سفر کے متعلق معمولی پوچھ گچھ فرمائی، پھر حضرتؒ ہی کے پیچھے میں نے مغرب پڑھی اور قیام گاہ پر آیا، حضرتؒ کے خادم صاحب کھانا لائے، جس میں ایک چپاتی، ایک باجرے کی روٹی، اور ماش کی دال تھی، میں کھا ہی رہا تھا کہ حضرت والا بھی تشریف لائے، جھک کر کھانا دیکھنے لگے، اور شہری زبان میں پوچھا :- کیا کھا رہے ہو؟ - میں نے عرض کیا حضرت ماش کی دال اور باجرے کی روٹی ہے اور ایک چپاتی بھی ہے، شاید میرے لہجہ سے حضرتؒ متاثر ہو گئے، رقت آمیز لہجہ میں فرمایا :- "میاں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ غذا بھی میسر نہ تھی"۔ میں بھی متاثر ہو گیا اور حضرتؒ واپس تشریف لے گئے، عشاء پڑھ کر رات گزاری۔

بعد اشراق دن چڑھے میری طلبی ہوئی، دل کو پکڑے ہوئے ہیبت زدہ خدمت میں حاضر ہوا، حضرت والا ایک کھری بس کھٹیا پر لیٹے ہوئے تھے، زمین پر ایک چٹائی تھی میں اُس پر دو زانو بیٹھ گیا، حضرتؒ نے پھر پوچھا کہ کیسے آئے ہو: میں نے ڈرتے ڈرتے ٹوٹی پھوٹی زبان میں عرض کیا کہ مرید ہونا بھی چاہتا ہوں اور کچھ تکلیفیں بھی ہیں اُن کے لئے حضور کی توجہ چاہتا ہوں، حضرت نے وضو کو پوچھا، میں باوضو تھا ہی، حضرت نے بلاقیل وقال حضرت شاہ آفاق رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے بیعت کر لیا، اور جو جو جملے کہلائے اُن کو دہرا لیا، عجیب رقت اور عجیب کیفیت تھی حضرت کے منھ سے جو جملہ نکلتا تھا وہ دل کے پار ہو جاتا تھا، آنسو اُبلتے تھے اور ایسی گھگھی بندھی ہوئی تھی کہ جملوں کو دہرانا مشکل تھا، بعض بعض الفاظ پر ایسا زور دیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ الفاظ آسمان سے نازل ہو رہے ہیں، مثلاً جب کہلایا کہ شرع شریف پر مرتے دم تک قائم رہوں گا تو شرع شریف کا لفظ جس عظمت اور قوت سے کہا ہے وہ اب تک کانوں میں گونج رہا ہے، جب کہلایا کہ ہر قسم کے گناہ سے عمر بھر پرہیز کروں گا، تو یہ بات رگ وپے میں ایسی پیوست ہو گئی کہ یقیناً اُس وقت ہر طرح کے گناہ سے نفرت ہو گئی، جب کہلایا کہ اگر غلطی سے گناہ ہو گیا تو بلا تاخیر توبہ کر دوں گا، تو اُس وقت توبہ کی اہمیت عمر بھر کے لئے دل میں جاگزیں ہو گئی، اُسی وقت دل اللہ اور اللہ والوں کی محبت سے لبریز ہو گیا۔

کسی کے درد محبت نے عمر بھر کے لئے
خدا سے مانگ لیا انتخاب کر کے مجھے

حضرتؒ نے مرید فرما کر قیام گاہ پر جانے کے لئے فرما دیا، اور تکلیفوں کی بابت کچھ نہ پوچھا، واقعی حضرتؒ بڑے ہی حقیقت شناس تھے، اگر اُس مجلس میں تکالیف کے لئے پوچھتے تو بیان کرنے کا یارا بھی کس کو تھا، دل کی بدلی ہوئی حالت لے کر میں قیام گاہ پر چلا آیا، دن گزرا، حضرتؒ نے

بعد عصر مسجد ہی میں روک لیا، لوگ جلدی جلدی اٹھ گئے، گویا میرا روکا جانا اور نمازیوں کے لئے اس کا اشارہ ہوگیا، اب حضرتؒ نے بڑے لطف و کرم کے ساتھ فرمایا کہ اپنی تکلیف بتاؤ، میں نے سب سے پہلے عرض کیا کہ مخالفوں نے مشہور کردیا ہے کہ میری انگلیوں میں سفید داغ ہیں جس سے مجھ کو بڑی شرم دامنگیر ہے، اور انگلیوں کے سروں کی رنگت کافی بدنما اور بھدّی ہوگئی ہے، اور دیکھنے میں سفید داغ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا: "لاؤ دیکھیں"۔ میں نے انگلیاں آگے بڑھادیں حضرت بار بار یہ جملہ ایک جذب کے ساتھ دہرانے لگے: "کہاں ہیں داغ، کہاں ہیں داغ"۔ اب جو میں نے بھی نظر ڈالی تو انگلیوں کا رنگ اور ان کی ہیئت نہایت خوشنما تھی (اس جگہ ناچیز عبدالرب راوی بیان کرتا ہے کہ میں اُن کی سب سے چھوٹی اولاد ہوں، اور میں نے اُن کے اُدھیڑ پن کا زمانہ اپنے بچپن میں پایا، اور جب میرا سن ۴۵، ۴۶ سال کا تھا اُس وقت اُن کا انتقال ہوا، جب بھی میں نے والد صاحب کو گورے چٹے رنگ کا خوبصورت آدمی پایا، وہ متناسب الاعضا بھی تھے، قیاس ہے کہ جوانی کی عمر میں انگلیاں بھی نہایت سڈول اور خوش رنگ ہوں گی) جب مجھے اپنی انگلیاں صاف نظر آئیں تو میری حیرت اور مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی، اور حضرت کی عظمت اور محبت سے میرا دل پہلے کی بہ نسبت زیادہ لبریز ہوگیا، پھر حضرت نے پوچھا: "اور کیا تکلیف ہے؟" میں نے شرماتے ہوئے کہا کہ شادی کو چھ سال ہوگئے اب تک کوئی اولاد نہیں ہے، حضرت صاحب نے اپنے خادم کو پکارا، وہ آئے تو فرمایا: "ہمارا بدھنا اٹھا لاؤ، ہم اُس میں سے ان کو کچھ دینگے"۔ خادم صاحب آناً فاناً ایک بدھنا لے آئے، حضرت صاحب نے اس کو چٹائی پر اُلٹ دیا، اُس میں کچھ بیر تھے، کچھ بتاشے تھے، اور ایک چھوٹی سی گھڑی تھی، حضرت صاحب نے فرمایا: "جو چاہو لے لو"۔ بھلا گھڑی لینے کی ہمت تو کیا پڑ سکتی تھی، میں نے شاید چار بیر اور پانچ بتاشے یا اس کے بالعکس اس خیال سے لئے کہ حضرت صاحب کے دل میں یہ نہ آئے کہ یہ شخص

طامع اُور دہقانی ہے، حضرت صاحب نے فرمایا بھی کہ: "اور لے لو، پھر نہ کہنا" میں نے پھر اُسی خیال سے کہہ دیا کہ بس ٹھیک ہے، حضرت صاحب نے فرمایا کہ: "اچھا ان کو کھالو" میں نے اسی وقت کھالیا، حضرت نے نہایت جوش اُور قوت سے فرمایا: "انشاء اللہ انشاء اللہ تمہارے اتنے ہی لڑکے ہوں گے جتنے تم نے بیر کھائے ہیں، اُور اتنی ہی لڑکیاں ہوں گی جتنے تم نے بتاشے کھائے ہیں"؛ یا اس کے بالعکس فرمایا (راوی عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والد صاحب کو چار لڑکے اُور پانچ لڑکیاں ارزانی فرمائیں) اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ: "اُور کیا تکلیف ہے؟" میں نے عرض کیا: "حضرت افلاس انتہا کو پہونچ گیا ہے۔ فرمایا: "اچھا ہم دعا کرتے ہیں، انشاء اللہ انشاء اللہ کبھی ننگے بھوکے نہ رہوگے، عمر بھر کھاتے کھلاتے کشادہ دست وفارغ البال رہوگے"۔ پھر پوچھا: "اور کیا تکلیف ہے؟" میں نے عرض کیا: "حضرت اُور کوئی تکلیف نہیں ہے" حضرت صاحب نے پوچھا: "اپنے گھر کب جاؤگے؟" میں نے کہا: "حضرت صبح کو ارادہ ہے" فرمایا: "اچھا ہم صبح تم کو توجہ دیں گے" وہ مجلس ختم ہوگئی، رات گزری، جب فجر پڑھ چکا تو حضرت صاحب نے مسجد ہی میں پھر روک لیا، اپنے سامنے بٹھایا، بلند آواز سے جلال کے ساتھ فرمایا: "آنکھیں بند کرلو، ہم توجہ دیتے ہیں" میں نے آنکھیں بند کرلیں، دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا، حضرتؒ نے جس طرح چاہا توجہ دی، لیکن مجھ کو معلوم نہیں ہوا، پھر فرمایا: "آنکھیں کھول دو" میں نے آنکھیں کھول دیں، حضرت صاحب نے بڑے جوش کے ساتھ فرمایا کہ: "جاؤ انشاء اللہ عمر بھر

لہ حدیث شریف میں آیا ہے: "رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ" (مسلم شریف)
(ترجمہ: بہت سے ایسے اللہ کے بندے ہیں کہ ظاہری صورت میں پراگندہ مو غبار آلود کس مپرس (لیکن خدا کے یہاں انکی مقبولیت کا یہ عالم ہے) کہ اگر کسی وقت قسم کھا بیٹھیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کام اس طرح کرے گا تو اللہ ان کی قسم کی لاج رکھے گا۔)

کے واسطے کافی ہے۔" حضرت صاحبؒ نے اپنے دستِ مبارک سے شجرہ بھی ارزانی فرمایا، اُور کچھ کتابیں بھی مرحمت فرمائیں، اُور پوچھا، کہ: "کدھر سے جاؤ گے؟" میں نے عرض کیا، کہ "آپ یوں ہو کر"۔ حضرتؒ نے فرمایا: "نہیں ادھر سے نہ جانا، بلکہ اس طرح جانا" اُور پھر جو راستہ بتایا، اُس کی تفصیل ارشاد فرمائی، حضرت صاحبؒ نے کھڑے ہو کر فاتحہ فرمایا، اُور پڑھا: "استودع اللہ دینکم وخواتیم اعمالکم" اُور فرمایا: "جاؤ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا"۔ میرے آنسو برابر جاری رہے، اُور اسی طرح سلام کر کے روانہ ہو گیا (ناچیز راوی عرض کرتا ہے، کہ بابا صاحب مرحوم اس واقعہ کو نیز دوسری حاضریوں میں دیکھے سنے ہوئے بہت سے حالات کو عمر بھر لطف و محبت کے ساتھ بیان فرماتے رہے، لیکن اس سے زیادہ طویل کوئی بات نہیں بیان فرمائی، نیز یہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت صاحب نے جو توجہ دی تھی وہ اس وقت اُور اس کے بعد عرصہ تک کچھ بھی محسوس نہ ہوئی سوا اس کے اللہ اُور اللہ والوں کی محبت دل میں بیٹھ گئی ہے، گناہوں سے گھِن پیدا ہو گئی ہے، اللہ پاک کے ذکر کا ذائقہ بھا گیا ہے، ہاں آخر عمر میں بابا صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ کا اب دل میں اثر پاتا ہوں۔ اُور ان شاء اللہ حضرتؒ کی توجہ مرتے وقت کام آئے گی، پھر واقعی مرتے وقت خوب کام آئی۔

مکتوب لطیف

از مولانا مفتی عبد اللطیف صاحب رحمانی (سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

""اس وقت حضرت مولانا کے دیکھنے والوں اور اُن سے تعلق بیعت رکھنے والوں میں جو حضرات اہلِ علم ابھی بقیدِ حیات ہیں، اُن میں ہمارے مخدوم جناب مولانا مفتی عبد اللطیف صاحب بھی ہیں، راقم نے مولانا سے درخواست کی تھی کہ وہ بھی اپنی حاضری گنج مرادآباد کے حالات تحریر فرمائیں، اُس کے جواب میں آپ نے جو مکتوب تحریر فرمایا ہے، وہ درج ذیل ہے:""

میں ۱۳۱۲ھ میں پہلی بار گنج مرادآباد حاضر ہوا، اس وقت بجز اس کے کہ میں مولانا کی زیارت کروں کوئی اور غرض نہ تھی اس وقت کانپور میں میرا قیام تھا، خربوزوں کا موسم تھا، وہاں کے خربوزے شیرینی میں مشہور تھے، اس لئے میں نے کچھ خربوزے خدمت میں پیش کرنے کے لئے ساتھ لے لئے، چند طلبہ بھی میرے ساتھ تھے، گنج مرادآباد کے قریب جو ایک ندی پڑتی ہے اُس کو اتر کر اس کے کنارے بیٹھ گئے، ایک طالب علم نے مجھ سے کہا کہ مولانا کے یہاں تو بڑے بڑے لوگ مرید ہیں، اور بڑے بڑے تحفے اور ہدیئے لاتے ہوں گے، آپ کی ان خربوزوں کی کیا قدر ہوگی، انھیں یہاں ہی کھا لیجئے، اس وقت میرے خیال میں بھی یہ بات آگئی تو میں نے کہا کہ اچھا کھا لو، مگر فوراً ہی مجھے خیال ہوا کہ بزرگوں کے یہاں چیز کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، بلکہ اخلاص اور محبت کو دیکھتے ہیں، اس لئے میں نے ان کو کھانے سے روک دیا، اور خربوزے خدمت میں پیش کر دیئے، آپ حجرے میں تھے، اور چند اور لوگ بھی گرد بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے خربوزے دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا، اور فرمایا کہ اب تک ہم نے خربوزے

نہیں کھائے، اور نہ کوئی ہمارے پاس لایا، یہ فرما کر ایک خربوزہ ہاتھ میں اٹھایا اور اس پر گھونسا مار کر توڑا، اور نکال کر ٹکڑوں کو کھانا شروع کیا، اور شیرینی کی بہت تعریف کی، غالباً یہ اس طالب علم کی بات کا جواب تھا جس کو آپ نے اس طریقہ سے ظاہر فرمایا۔

مجھے معلوم تھا کہ آپ سے آخر شب میں ملاقات اچھی ہوتی ہے، اس لئے میں رات کو تین بجے اٹھ کر خدمت میں حاضر ہوا، آپ ایک چھپر کے نیچے تھے اور کچھ ترشح بھی ہو رہا تھا، جب میں چھپر کے اندر داخل ہوا تو پوچھا کون؟ اور فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، وہاں بیٹھنے کی کوئی چیز نہ تھی بجز اس کے کہ آپ کی بانس کی ایک چارپائی تھی اور چند کڑیاں عمارتی پڑی تھیں، میں ایک کڑی پر بیٹھ گیا، میں نے عرض کیا کہ کوئی دعا ایسی بتلایئے کہ جس سے نماز میں دل لگے اور نماز کا ثمرہ مرتب ہو، آپ نے ایک دعا بتائی جو اس وقت مجھے یاد نہیں اور یہ وہ دعا تھی جو حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے مجھے بتائی تھی۔

پھر فرمایا کہ ہماری ایک ماما تھی اس کا انتقال ہو گیا تو ہمیں فکر ہوئی کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا، پھر معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا، اس کے بعد فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ بیماری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کو بہت یاد کرتے تھے، اور چاہتے تھے کہ میری تیمارداری انکے گھر میں ہو، تم جانتے ہو کہ آنحضرتؐ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا کہ پیغمبر کے پاس بوقت انتقال جو شخص ہوتا ہے علم نبوت کا ایک حصہ اس کو ملتا ہے، اور جتنا قرب ہوتا ہے اتنا ہی اس حصہ میں زیادتی ہوتی ہے، اور آپ جانتے تھے کہ اس بار کا کوئی متحمل نہیں بجز حضرت عائشہؓ کے، چنانچہ جب آپ کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ فرماتی ہیں :- بین سحری ونحری۔ اس لئے آپ ان کو یاد کرتے تھے اس کے بعد میں واپس چلا آیا۔

دوسری بار کی حاضری میں بیعت کی، دوسری بار کی حاضری میں کوئی خاص بات پیش نہیں آئی،

جو قابلِ ذکر ہو، اور پھر تیسری بار حاضری بھی نہیں ہوئی، اپنے ساتھ جو گزرا وہ لکھ دیا، دوسروں سے سُنے ہوئے حالات بہت کثیر ہیں جن کے لئے دفتر درکار ہے، بعض مولویوں کے ساتھ جو معاملات پیش آئے، وہ مجملاً لکھنا ضروری سمجھتا ہوں ۔

(۱)

مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے اوّل جو صحیح بخاری چھپوائی اُس کا ایک نسخہ لے کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیش کیا اور کہا کہ میں نے اس کی تصحیح میں بہت کوشش کی ہے اگر اس میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو حضور اس کو بتائیں، فرمایا ہاں، اور ایک صفحہ لوٹا اور ایک سطر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ لفظ غلط ہے، پھر دو تین ورق لوٹے اور اسی طرح ایک غلطی بتائی، چنانچہ چار پانچ غلطیاں ان کو دکھلائیں ــــــ مولانا احمد علی صاحب وہاں سے اُٹھے تو فرمایا یہ کسی بات نہیں ہے، وہبی بات ہے ۔

(۲)

مولوی عبدالحئی صاحب فرنگی محلی ایک بار خدمت میں حاضر ہوئے، لکھنؤ سے گنج مرادآباد تک جو سیدھا راستہ ہے وہ اتنا نہیں ہے جس میں نماز کا قصر کیا جائے، لیکن مولوی عبدالحئی صاحب ایک ایسے راستہ سے آئے جس میں قصر کیا جا سکتا تھا، مگر انھوں نے سمجھا کہ جب اصلی راستہ میں قصر نہیں ہے تو اس راستہ میں بھی قصر نہ کرنا چاہیے، مولانا نے فرمایا کہ قصر کرو، مولوی عبدالحئی صاحب فرماتے تھے کہ جب میں نے کتابوں کی طرف مراجعت کی، تو وہی بات صحیح پائی جو مولانا نے فرمائی تھی ۔

(۳)

مولوی عبدالحق مفسّر حقانی اپنی تفسیر لے کر خدمت میں حاضر ہوئے اور تفسیر پیش کی، اور عرض کیا کہ یہ تفسیر میں نے لکھی ہے، اگر اس میں کوئی غلطی ہو تو مجھے مطلع فرمائیں، آپ نے فرمایا، ۔

والی کالا بل کیف خلقت کی کیا تفسیر تم نے کی ہے، انھوں نے وہی معنی جو عام مفسرین لکھتے ہیں بتا دیئے، اس پر آپ نے قہقہہ لگایا اور کہا کہ ایسی ہی تفسیر لکھی ہے، ابل کے معنی یہاں ابر کے ہیں۔

(۴)

مولوی بشیر الدین سہسوانی جن کا رجحان اہل حدیث کی طرف تھا، وہ حاضر خدمت ہوئے ان کے دل میں چند شکوک شرح وقایہ کی عبارت پر تھے، جو ایسے تھے کہ جن سے حنفیت پر زد پڑتی تھی انھوں نے ان شکوک کو مولانا کے سامنے پیش کرنے کا قصد کیا، اسی اثناء میں مولانا گھر کے اندر سے باہر تشریف لائے، اور مولوی بشیر الدین سے کہا کہ جنگل کی ہوا کھائیں گے، راستہ میں قبل اس کے کہ مولوی صاحب اپنے شکوک پیش کریں، مولانا نے وہ خود ان سے مع جوابات کے بیان فرمائے جن سے مولوی صاحب کا بیان تھا کہ ان کی تشفی ہوگئی۔

(۵)

مولانا کے یہاں درس صحیح بخاری ہوتا تھا جس میں بڑے بڑے علماء شریک ہوتے بجا بجا کہیں غلطی کتابت ہوتی تو قلم دوات لاکر صحیح کرتے جاتے، اتفاق سے دوات خشک تھی، قلم نہ چلتا، حاضرین میں سے ایک صاحب نے مسجد کے لوٹوں سے ایک اٹھا کر دوات میں پانی ڈال دیا، مولانا کی نگاہ نیچی تھی نہ دیکھا، جب قلم پڑا تو ناخوش ہوئے کہ بے تمیز وضو کرنے والوں کا مستعمل دوات میں ڈال کر روشنائی خراب کردی، اب میں اس سے حدیث لکھوں۔

(۶)

قرآن مجید کا ایک ترجمہ بھاشا کا مولانا فرماتے تھے کہ:- میں نے دیکھا ہے۔

(۷)

چند کلمات قرآن و حدیث کے غیر متداول معنی بتایا کرتے تھے۔

حتی یلج الجمل فی سم الخیاط، یہاں جمل کے معنی اونٹ کے نہیں، بلکہ کشتی کے لنگر کے معنی میں ہے، یہ معنی لغت میں مذکور ہیں۔

صحیح مسلم میں یضربون مشارق الارض ومغاربھا کے معنی حضرت مولانا لطف اللہ صاحب نے متبسم ہو کر فرمائے کہ پورب پچھم مارے مارے پھرتے تھے، چنانچہ مولوی محمد بدرالدین صاحب نے کلام لطف میں اس کا واقعہ لکھا ہے۔

اولاد و احفاد

مولانا کا پہلا عقد اپنے ہی خاندان ملّاواں میں محمد عطاء اللہ صاحب ولد مولوی غلام امام صاحب کی دختر سے ہوا جن سے دوؔ صاحبزادے اوّل شاہ عبدالرحمٰن صاحب بعدہٗ شاہ عبدالرحیم صاحب ہوئے، شاہ عبدالرحمٰن صاحب سے ایک صاحبزادہ ہوئے جن کا نام بھی عطاء اللہ صاحب تھا، مگران کی اولاد سب صغرسنی میں فوت ہوگئی۔

آپ کے دوسرے صاحبزادہ مولوی شاہ عبدالرحیم صاحب کے دوؔ لڑکے ہوئے، اوّل شاہ تبارک حسین دوسرے شاہ حامد حسین بعرف مدے میاں، پھر ایک دختر ہوئیں جو مولوی محمد رضا صاحب سندیلوی کو منسوب ہوئیں، ان صاحبزادی کی پیدائش کے کچھ روز بعد ہی مولانا کی حرم اوّل کا انتقال ہوگیا۔

آپ کا دوسرا عقد گنج مرادآباد میں ہوا، یہ خاتون نواب مراد شیر صاحب علوی کے خاندان سے تھیں جن کے نام پر قصبہ کا نام مرادآباد ہے، ان کے بطن سے دوؔ صاحبزادے احمد میاں صاحب اور سید محمد عرف بُیدو میاں صاحب اور ایک صاحبزادی شفقت بی بی پیدا ہوئیں، حرم دوم کا ۱۳۰۲ھ میں انتقال ہوگیا، کئی برس بعد آپ نے مساۃ مریم بی بی سے جو عرب سے آئی تھیں، نکاح کیا، وہ آپ کی وفات کے بعد ۱۴، ۱۵ سال زندہ رہیں۔

مولانا احمد میاں صاحب کے دوؔ صاحبزادے ہیں، رحمۃ اللہ میاں صاحب سجادہ نشین بڑے صاحبزادے، اور نعمت اللہ میاں صاحب چھوٹے صاحبزادے، رحمۃ اللہ میاں صاحب کی دوؔ اولادیں ہوئیں، جو صغرسنی میں فوت ہوگئیں، نعمت اللہ میاں صاحب کے ایک بیوی سے

دو صاحبزادے افضال الرحمٰن اور احمد الرحمٰن اور دوسری بیوی سے تین صاحبزادے آفاق الرحمٰن
ولی الرحمٰن اور جلیل الرحمٰن اور ایک صاحبزادی ہوئیں۔[1]

---

[1] افضال رحمانی، ساتواں باب باختصار۔۱۲

الحمد للہ والمنۃ کہ آج یوم چہار شنبہ ۶ ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ
مطابق ۲۵ جون ۱۹۵۸ء کو
دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں
یہ کتاب
مکمل ہوئی